ٹکّر

اور

دوسرے ریڈیائی ڈرامے

از

اویس احمد ادیب

بار اول

قیمت
دو روپیہ ۴ر

اگست سنہ ۱۹۴۶ء

ناشر
اُردو پبلشنگ ہاوس۔ چوک
الہ آباد

فہرست

بیگم اویس احمد ادیب

کے نام

جن کی وجہ سے
اکثر ڈراموں کے
پلاٹ ہاتھ
آئے

نام ـــــــ اویس احمد - تخلص ادیب

وطن ـــــــ روڑکی ضلع سہارن پور

جائے پیدائش - جھانسی

تاریخ پیدائش ـــ یکم جنوری ۱۹۱۴ء

ابتدائی تعلیم ـــ جھانسی، الہ آباد اور شاہجہاں پور

منتہی تعلیم ـــ ایم - اے - بی - اے آنرز (الہ آباد یونیورسٹی) ۱۹۳۵ء

ایم - اے (آگرہ یونیورسٹی) ۱۹۴۱ء۔

مضامین ـــ اردو اور معاشیات

مضمون نگاری - ابتدا ۱۹۳۱ء - پہلے فلمی مضامین - پھر ادبی اور تنقیدی ڈرامے - اور فیچر۔

تصانیف :-

۱- تنقیدی ـــ اُردو کا پہلا ناول نگار - اردو کا پہلا شاعر پہلا مدون اردو زبان کی نئی تحقیق - تنقیدیں - تنقیدی مطالعے - اصول افسانہ نگاری - فنی جائزے (زیر طبع) -

۲- ڈرامے ـــ رہس اور دیگر ریڈیائی ڈرامے - ٹکر اور دوسرے ریڈیائی ڈرامے - عفرا یا ماہِ عرب - پرتھال یا جو دگن - نیلوفر اور دوسرے ریڈیائی ڈرامے

(زیر طبع)

۳- کہانیاں ـــ (بچوں کے لئے) شیخ چلی کی کہانیاں - بادشاہوں کی

کہانیاں - جانوروں کی کہانیاں - بیوقوفوں کی کہانیاں
چالاک آدمیوں کی کہانیاں - مختلف کہانیاں -
نفیس قاعدہ - چوہوں کی کہانیاں - بچوں کی خط و
کتابت - نفیس کہانیاں - لومڑی کی کہانیاں -
پرندوں کی کہانیاں - بھیڑوں کی کہانیاں - شیروں کی
کہانیاں - اچھے آدمیوں کی کہانیاں -

۴ - سماجی ——— (عورتوں کے لیے) بیوی کے فرائض -

موجودہ رجحان ڈرامے اور تنقیدی مضامین کی طرف ہے -

متوقع تصانیف چکبست

اردو ڈراما

بچوں کے معلوماتی اور تفریحی ریڈیائی ڈرامے

اردو کی نشر و اشاعت

نیلوفر اور دوسرے ریڈیائی ڈرامے

فنی تجزئے

اصول ڈرامہ نگاری

فلمی مضامین کا مجموعہ

پتا ——— صدر شعبہ جات اردو و معاشیات حلیم مسلم کالج کانپور

سید محمد ہاشم

"ٹکراؤ اور دوسرے ریڈیائی ڈرامے" میری ڈرامائی کوششوں کا دوسرا مجموعہ ہے۔ اس میں دو تاریخی، تین سماجی اور چار ادبی فیچر اور ڈرامے شامل ہیں علم ا[illegible] کے خشک موضوع مثلاً DAIRY FARMING، چور بازار - اعداد پر سفر وغیرہ کو ڈرامائی انداز میں پیش کیا ہے۔ نہیں کہہ سکتا کہ میں کہاں تک ان تمام موضوعات کے ساتھ انصاف کرنے میں کامیاب ہوا ہوں مگر اتنا یقین رکھتا ہوں کہ آئندہ بھی ایسے موضوعات کو دلکش انداز میں پیش کرسکوں گا۔

میرے ایک کرم فرما نے "رہس اور دوسرے ریڈیائی ڈرامے" پر تنقید کرتے ہوئے تنقید لکھی ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ فن ڈرامانگاری سے مجھے دور کا بھی لگاؤ نہیں یا میں نے اس کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ کہاں تک صحیح ہے۔ ناظرین خود فیصلہ کریں۔ رسالہ کتاب سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔

"جہاں تک اسٹیج اور ڈرامے کا تعلق ہے ان کی زیر نظر کتاب (رہس اور دوسرے ریڈیائی ڈرامے) یا انکی ایک آدھ اور ڈرامے کی کتاب کو بہ وثوق نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ڈرامے کے فن سے پورے طور پر واقف ہیں۔ ریڈیو فیچرز کو ڈرامے کی ذیل میں جگہ دینا ڈرامے سے ناانصافی ہے۔ چنانچہ ریڈیو فیچروں کا یہ مجموعہ اپنے طور سے چست اور دلچسپ چیز ہے۔ مگر یہ اسٹیج کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔"

رسالہ کتاب - صفحہ ۳۱ - مئی سنہ ۴۶ء

اس رسالے کے ایڈیٹر ہندوستان کے باذوق اور صاحب نظر ایڈیٹر مسٹر قیوم نظر ہیں۔ تعجب ہے کہ انھوں نے ایسی متضاد تنقید کو درست کیوں نہ کیا۔ خود ہی اس مجموعہ کو ریڈیو فیچر اور ڈرامے کہتے ہیں اور پھر یہ کہ اسٹیج کے لئے وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ نقاد کو شاید یہ علم نہیں کہ ریڈیو فیچر اور ریڈیو ڈراموں کی ٹکنیک اسٹیج کی ٹکنیک سے بالکل علیحدہ ہے۔ پھر یہ ڈرامے اسٹیج کے لئے کس طرح موزوں ہو سکتے تھے؟ حیرت ہوتی ہے جب عہد حاضر کا ایک نقاد یہ لکھتا ہے کہ فیچر کو ریڈیو ڈراموں میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ فیچر ریڈیو ڈراموں کی ایک قسم ہیں۔ رہس اسٹیج کے لئے نہیں بلکہ آواز کے شیدائیوں

کے لئے ہے۔ ایسی تنقید لکھنا اپنی ناواقفیت اور اپنی کم علمی کا ثبوت دینا ہے۔ پھر ڈراموں کی چستی اور دلچسپی کا اقبال کرتے ہوئے ان کو نقص بتانا اور وجوہ پیش نہ کرنا نقاد کی شان کے خلاف ہے۔ مجھے توقع ہے کہ قیوم نظر صاحب آئندہ اس قسم کی بے ربط اور متضاد تنقیدیں لکھنے سے گریز کریں گے۔ تنقید لکھنا آسان نہیں۔ پہلے تنقیدی ذوق پیدا کرنا پڑتا ہے پھر مطالعہ وسیع کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ صورت دیگر میں وہ تنقید باقی نہیں رہتی۔

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں ریڈیو ٹکنیک پر حاوی نہیں مگر اس کے مطابق اپنی تحریروں کو پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں خود فریبی میں مبتلا نہیں ہوں۔ مگر خود اعتمادی ضرور ہے۔ مجھے اپنی غلطیوں کا احساس ہے اور وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے اور اپنی اصلاح کے لئے تیار رہتا ہوں۔ امید ہے کہ میرے یہ ڈرامے ذوق تشنگی کو دور کریں گے۔

آخر میں مجھے کرم فرما پرنسپل عبدالشکور صاحب، محمد رضا خاں صاحب، عبدالعزیز صاحب انصاری۔ ظہیر الدین صاحب۔ آل حیدر صاحب۔ اسلم صاحب۔ خواجہ احمد صاحب، طاہر حسن صاحب۔ شمیم صاحب اور قتیل صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ ان کی رائیں اکثر میرے لئے شمع ہدایت بنیں۔

اویس احمد ادیب

حلیم مسلم کالج - کانپور

یکم اگست ۴۶ء

"ٹکّر"

(ایک سماجی خاکہ)

آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ سے نشر ہوا

(مطبوعہ سلیمی پریس۔ یحییٰ پور الہ آباد)

افراد

(۱) ــــــ سلیم

(۲) ــــــ تارامتی

(۳) ــــــ حمیدہ

(۴) ــــــ شوہر

(۵) ــــــ بیوی

(۶) ــــــ شانتا

(۷) ــــــ باپ

(۸) ــــــ بچّہ

(۹) ــــــ کوشک

(۱۰) ــــــ حمیدہ کا شوہر

سلیم — مس تارا متی آپ مانیں یا نہ مانیں مگر مرد بہر حال —"

تارا متی —" حال بے حال کو تو میں جانتی نہیں میں تو یہ سمجھتی ہوں"

سلیم —" آپ بے سمجھے ضد کئے جا رہی ہیں - اور میں"

تارا متی —" آپ مرد ذات اپنی بیجا طرفداری پر تلے ہوئے ہیں"

سلیم —" اب تم تو مانتی نہیں ہو - مگر"

تارا متی -" اگر مگر کی اس میں گنجائش نہیں - انصاف شرط ہے"

سلیم —" انصاف یہی ہے کہ عورت مرد کی محتاج ہے"

حمیدہ بانو - (گنگناتی ہوئی آتی ہے) -

روشِ خام پہ مردوں کی نہ جانا ہرگز
داغ تعلیم میں اپنی نہ لگانا ہرگز
ہم نہیں بھول گئے اس کی سزا پاتے ہیں
تم ذرا اپنے تئیں بھول نہ جانا ہرگز

سلیم — کون حمیدہ بانو ؟

تارا — لو بہن حمیدہ ! اچھے وقت آئیں ذرا سلیم کے ہوش کی دوا تو کر دو

حمیدہ -" کیوں ؟ کیا ہوا سلیم صاحب، مردوں کی بڑائی کا لکچر دیتے رہے -

تارا — (تالی بجا کر) HERE , HERE , HAMIDA انشورتمہیں
ہوا و دوان کرے"

حمیدہ — یہ تو ٹھیک ہے سلیم صاحب کہ مردوں نے عورتوں کو لونڈی بنا کر
رکھا۔ انکی آزادی اور ترقی کے سب راستے بند کر دئے -

تارا ——— عورت کو ہمیشہ جائداد منقولہ سمجھا۔

سلیم ——— اور سمجھنا بھی چاہئے تھا۔

تارا ——— مسٹر سلیم! عورتوں کے خیالات میں ترقی ہو رہی ہے۔
اب اگر دنیا میں مرد زندہ رہنا چاہتے ہیں تو انھیں عورتوں سے مغلوب ہو کر رہنا پڑے گا۔

سلیم ——— اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ عورت کسی حیثیت سے مرد کی محتاج ہو کر نہیں رہ سکتی۔

تارا ——— EXACTLY! واقعی۔

سلیم ——— یہ تمہاری بھول ہے۔

حمیدہ ——— سلیم! سماج کے بندھن اب ڈھیلے پڑ چکے۔ عورت اب بہت آگے بڑھ چکی ہے۔

سلیم ——— میں تو یہی کہوں گا یہ تمہاری بھول ہے! حمیدہ! تم دونوں کی باتیں ناتجربہ کاری پہ مبنی ہیں۔ بیجا آزادی، غلط اصول اور موجودہ تعلیم نے عورتوں کے اخلاق پر بہت بُرا اثر ڈالا ہے۔

حمیدہ ——— سلیم! تم جنسِ لطیف کی ہجو کر رہے ہو! سنو میں تم کو ایک خاندان کی بیتی سناؤں کہ ایک تعلیم یافتہ عورت کس طرح اپنے حقوق مانگتی ہے۔ ابھی حال کا واقعہ ہے۔ ایک گھر میں ایک بیوی اور میاں ———"

بیوی ——— !DEAR میں OFFICE جا رہی ہوں - ذرا بچوں کو نہلا دھلا کر
کپڑے پہنا دینا -

شوہر ——— میں ایک ضروری نظم ترتیب دے رہا ہوں، آج دفتر نہ جاؤ -

بیوی ——— ?HOW CAN IT BE یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اپنی نظم
پھر لکھ لینا۔ جلدی کیا ہے؟

شوہر ——— میری نظم اخبار میں چھپے گی! آج ہی یہ مصوّر کو دے دی جائیگی
وہ تصویریں بنائے گا -

بیوی ——— میں تو اُس شاعری اور مصوّری سے عاجز آچکی ہوں۔ مجھے
OFFICE میں ضروری خطوط پر ضروری نوٹ لکھنا ہیں - میرا
آفیسر میرے نوٹ بہت پسند کرتا ہے۔

شوہر ——— عجیب عورت ہو!! تم کو گھر پر رہ کر میری مدد کرنی چاہئے
میری آمدنی کافی ہے، گھر میں بیٹھو، کوئی ضرورت نہیں -
دفتر جانے کی -

بیوی ——— اپنے یہ احکام آپ طے کر کے رکھیئے - وہ زمانہ گیا جب
مردوں نے عورتوں کو دلاسا دیکر خوش رکھا، ہماری کامیابی
تمہاری کامیابی ہے - مگر انہیں کبھی کوئی حق نہیں دیا -

شوہر ——— حق! افسوس، میں نے تم سے شادی کی - یہ سمجھ کر کہ تم پڑھی
لکھی ہو، تم اپنے فرض کو اچھی طرح سمجھو گی اور انجام دو گی -

بیوی ——— یعنی یہ کہ میں تمہاری لونڈی اور غلام بن کر رہونگی! اگر

ایسا سوچا تھا تو غلطی کی تھی۔

شوہر —— اچھا! (غصہ ہو کر) دیکھوں تو تم کیسے دفتر جاؤ گی! گھر کے باہر اگر قدم نکالا تو اچھا نہ ہو گا۔

بیوی —— SHUT UP! عورت کی تعظیم کرو! مغربی تہذیب یہی سکھاتی ہے۔ بدزبانی کا نتیجہ علیحدگی ہو گا۔

شوہر —— عورت گھر کی ملکہ بنی اچھی لگتی ہے۔ تم بھی ملکہ بنکر رہو۔ تمہاری آزادی نے گھر کا شیرازہ بکھیر دیا۔

بیوی —— میں اپنے گھر کی ملکہ تو نہیں مگر مالکہ ضرور ہوں۔ اگر تمہارا میرے ساتھ گذر نہیں ہو سکتا تو تم جا سکتے ہو،

شوہر —— کیا کہا؟ جا سکتے ہو؟ کہاں؟ گھر میرا ہے۔

بیوی —— "NON SENSE"! فضول بکواس مت کرو۔ میں یہ نہیں دیکھ سکتی کہ مرد عورت کے جذبات سے کھیلے۔ ان مردوں کے نزدیک عورت کی خوشی خوشی نہیں، اس کا رنج رنج نہیں۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق کوئی کام ہی نہیں کر سکتی گھروں میں مردوں کی DICTATORSHIP اب نہیں چل سکتی!

(آنے کی آہٹ .. .. کھٹ کھٹ۔ کھٹ)

شانتا —— JAMILA ابھی تک آفس نہیں گئیں!

جمیلہ —— بہن شانتا! آفس کیا جاتی۔ گھر کے جھگڑے چکا رہی تھی!

HUSBAND تو بہت

شانتا —— برہم کیوں ہو گئیں۔ آپ کے
سیدھے ہیں۔

جمیلہ —— میرا ہی کلیجہ ہے جو میں ان کو بھگت رہی ہوں۔

شوہر —— مس شانتا! میرا قصور یہ ہے کہ میں نے آج ان سے
چھٹی لینے کے لئے کہدیا! مجھے ایک ضروری کام کرنا ہے!

شانتا —— YOU MADE A MISTAKE! آپ نے کیوں ان کے
معاملہ میں دخل اندازی کی!
یہ MODERN WAYS کے خلاف ہے!

شوہر —— افسوس! موجودہ تہذیب نے عورتوں کے دلوں کی محبت
ہمدردی، حیا سب کو غارت کر دیا۔

جمیلہ —— بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس قدر تعلیم یافتہ ہو کر جاہلوں
کی سی باتیں کر رہے ہو۔

شانتا —— I NEVER EXPECTED SO مجھے کبھی ایسی توقع
نہیں تھی۔ مرد اب تک یہی سمجھ رہے ہیں کہ عورتوں کو بناؤ سنگار
کے سوا کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ یہ انکی تنگ نظری ہے۔

جمیلہ —— عورتوں کو آزاد کرنا تو یہ جانتے ہی نہیں۔ جب تک عورتوں میں
آزادی پیدا نہ ہوگی وہ غلام کے سوا اور کچھ پیدا ہی نہ کر سکیں گی۔

شانتا —— SLAVES —— غلام —— یقیناً

شوہر —— میرے نزدیک تو عورت دنیا کا کوئی کام نہیں کر سکتی۔ وہ

مہذب ہو کر صرف اچھے نغمے الاپ سکتی ہے۔ بہترین ایکٹرس بن سکتی ہے۔ ہارمونیم، طبلہ اور ستار بجا کر فضا کو وجد آفریں بنا سکتی ہے۔ مگر مردوں کے کام نہیں کر سکتی۔

جمیلہ۔۔۔ اچھا اپنی بکواس رہنے دیجئے۔ میں جا رہی ہوں۔ ماما کو بتائیے کہ کیا کیا کھانا تیار کرے گی، بچوں کی پوشاک نہلا دھلا کر تبدیل کرائیے۔ مہتر کو بتائیے کہ کہاں کہاں صفائی کرے، گھر میں جو چیزیں بے ترتیب ہیں ان کو ٹھیک سے رکھئے۔

شانتا۔۔۔ سنو! ان کے لئے ریڈیو کھولدو۔ ریڈیو سے دل بہلاتے رہیں گے، اور کام کرتے جائیں گے۔

جمیلہ۔۔۔ FINE SUGGESTION بہت عمدہ تجویز۔ یہ لیجئے میں چلی۔ ریڈیو پر نغمے سنئے۔ آؤ SHANTA چلو....

(فوراً ہی گانا شروع ہوتا ہے ... ... جانے کی آہٹ)

ریڈیو سٹ پر گانا:

(کوئی عمدہ ریکارڈ ... ...)

گانا آہستہ آہستہ ختم ہوتا ہے ... ...

تارا۔۔۔ دیکھا! سلیم تم نے۔ عورتوں کی بیداری مردوں کی اب صحیح رہنمائی کرے گی۔ یہ نتیجہ ہے اس ٹکر کا جو مردوں کی غلط روک تھام سے ہوئی۔

سلیم — مجھ کو بہت افسوس ہوا کیونکہ اس طرح مردوں اور عورتوں ' دونوں کی زندگی عذاب ہو جاتی ہے۔ عورتوں کی یہ بیداری ان کی تباہی اور بربادی کا باعث ہو گی۔ تم خود سوچو! عورت کو قدرت نے بھی زیادہ محنتی نہیں بنایا۔ اُس نے عورتوں میں جسمانی قدرت مردوں کے مقابلے میں بہت کم رکھی ہے۔ عورت کے جسم کی نرمی " اور نزاکت اُسے ذرا سی محنت سے نڈھال بنا رہتی ہے۔

حمیدہ — یہ قدرت کی نا انصافی ہے! عورت قدرت سے بھی انتقام لینے کی فکر میں ہے۔

سلیم — ایسی مہمل بات! صرف باتیں بنانے سے کام نہیں چلا کرتا۔

حمیدہ — سلیم! سچ مانو! وہ وقت آچکا ہے کہ عورت ' قدرت کے بنائے ہوئے نظام کو درہم برہم کر دے ' مردوں کی حکومت کا خاتمہ کر کے اس کو محکوم بنالے۔

تارا — بالکل صحیح! عورت انتہائی تیزی کے ساتھ اپنی فطری آزادی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ دفتروں میں' ملوں میں' کارخانوں میں' فوج میں' غرض ہر شعبۂ زندگی میں عورت کام کرتی ہوئی نظر آئے گی۔ ملکوں کی حکومتیں عورتوں کے ہاتھوں میں ہو گی — کاروباری انتظام عورتیں کریں گی۔ مرد صرف بچے کھلایا کریں گے دیکھو اس قدرت کا منظر ' کمر سلیم! گفتار محبت ما خوش کن!

بچہ ——— ابا جان! ہماری گیند لاؤ! ہم کھیلیں گے۔
باپ ——— اچھا بیٹا!
بچہ ——— وہاں کھڑے ہو۔۔۔۔۔
باپ ——— اچھا!
بچہ ——— ابّا۔ کوّا آیا! پہلے اس کو بھگاؤ! یہ گیند لے جائے گا۔
باپ ——— کوّے، ہشت! لو بھاگ گیا اب کھیلو!
بچہ ——— پہلے کپڑے بدلو!
باپ ——— اچھا پہلے کھیل تو لو!
بچہ ——— نہیں۔۔۔۔ پہلے کپڑے۔
باپ ——— اچھا لاؤ! دیکھو یہ پھول پھول کی قمیص! یہ پیجامہ۔ اور یہ جوتا!
بچہ ——— اور مٹھائی!
باپ ——— تمھاری امّی بازار گئی ہیں، وہ جب آئیں گی تو لائیں گی!

(دستک کی آواز)

بچہ ——— وہ امّی آئیں!
باپ ——— کون؟
جمعدار ——— جمعدار ——— صفائی کرنے آیا ہے حضور۔
باپ ——— عجیب زندگی ہے۔ (دروازہ کھولتا ہے) لو! جلدی کام کرو۔ بیگم صاحبہ کے آنے کا وقت ہو رہا ہے۔

جمعدار — بہت اچھا! سرکار —

بچہ — ابّا! دودھ پئیں گے!

باپ — دودھ — الٰہی توبہ!

بچہ — دودھ... ... اور بسکٹ بھی!

باپ — اچھا لاتے ہیں

(ماما آتی ہے)

ماما — بتائیے حجور کیا کیا پکائیں!

باپ — دماغ خراب ہو گیا — کیا بتاؤں — گوبھی اور آلو پکالو

ماما — اے حجور! دن بھر کام کر کے آئیں گی اور بیگم صاحب آلو گوبھی کھائیں گی!

باپ — (بگڑ کر) پھر کیا میری کھوپڑی کھائیں گی؟

ماما — میرا کیا جاتا ہے حجور! وہ آپ کھانا نہ کھائیں گی!

باپ — جاؤ جو جی میں آئے پکالو۔

(دستک کی آواز)

بچہ — وہ امی آئیں!

باپ — کون!

دھوبی — دھوبی سرکار!

باپ — زندگی اجیرن ہو گئی! اب کپڑے بیٹھ کر لکھوں!

دھوبی — حجور جلدی کیجیے، مجھے گھاٹ جانا ہے!

باپ ــــ (جھنجھلا کر) جلدی کرنا ہے تو جاؤ پھر لینا!

دھوبی ــــ ہمارا کیا۔ آج بھٹی ہو جائے گی! آٹھ دن بعد آؤنگا! بیگم صاحب ناراض ہونگی تو کہدوں گا۔

باپ ــــ اچھا بیٹھ بیٹھ! لیتا جا بھائی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہاں بول۔

دھوبی ــــ ساری - جمپر - پیٹی کوٹ - دوپٹے -
۱۵ ۱۵ ۱۵ دس

باپ ــــ ارے توبہ!

(دستک کی آواز)

بچہ ــــ وہ امی آئیں!

باپ ــــ کون؟

آواز ــــ انڈے مکھن والا جمعہ!

باپ ــــ تجھے بھی اسی وقت مرنا تھا!

(پیروں کی آہٹ - بیوی آتی ہے)

بیوی ــــ یہ کیا۔ گھر کی یہ کیا درگت بنا رکھی ہے۔ جہتر بیٹھا ہے، دھوبی نے کپڑے پھیلا رکھے ہیں، دودھ کی ہانڈی کھلی پڑی ہے۔

باپ ــــ کیا کروں؟ کوئی حد بھی ہے کام کی! کہاں تک کام کروں!

بیوی ــــ رہنے بھی دو! میں دن بھر آفس میں کام کروں، گھر پہ آؤں تو آپ کا یہ بھوہڑ پنا دیکھوں۔

ماما—— اے بیگم صاحب! کھانا کھالو! تھک جاتی ہیں حضور!

بیوی—— کیا پکایا ہے؟

ماما—— اے گوبھی آلو صاحب!

بیوی—— کمبخت کہیں کی! یہی ترکاری رہ گئی تھی، اچھا! میں نہیں کھاؤں گی کھانا۔

شوہر—— اچھا دھوبی کے پانچ روپیہ تو دیدو۔

بیوی—— اپنے پاس سے دیدو!

شوہر—— اے یہ لو! میں کوئی نوکری کرتا ہوں، دو یا نہ دو!

بیوی—— مجھے بات نہ کرو۔

شوہر—— اچھا صاحب! جو تمھاری مرضی!

حمیدہ—— میری روح اسی دن خوش ہوگی جب مردوں کو اسی طرح مجبور کر دیا جائے گا۔ ہمیں مردوں سے یہی ٹکر لیا ہے۔

سلیم—— ذرا سوچو! کیا یہ ممکن بھی ہے! میرے نزدیک تو محال ہے!

تارا—— مردوں کی خود غرضی، غرور کا جہاز بہت جلد ڈوبنے والا ہے۔ وہ گرداب میں پھنس چکا ہے! جب عورتیں بڑے بڑے عہدوں پر ہوں گی تو عورتوں ہی کی تو جیبیں بھی گرم ہوں گی! عورتیں میدان جنگ میں توپوں کی آواز کے ساتھ بلاخوف وخطر کام کریں گی!

(ریکارڈ۔ بادل کا گرجنا۔ بجلی کا چمکنا، ہوا کا زور کے ساتھ چلنا)

حمیدہ —— اوئی (بجلی کی چمک و بادل کی گرج کے ساتھ)۔ میرا تو کلیجہ ہل گیا۔ کہیں بجلی گری ہے۔

سلیم —— (قہقہہ لگا کر)۔ ضرور۔ میدان جنگ میں اس دلیری کے ساتھ! عورت ایک اچھی بیوی بن سکتی ہے ایک سپاہی کہیں کبھی نہیں بن سکتی، ایک سلیقہ شعار ماں بن سکتی ہے اور مایۂ ناز سپوت پیدا کر سکتی ہے مگر اچھا سپہ سالار نہیں بن سکتی۔

حمیدہ —— موجودہ جنگ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دنیا میں عورتوں نے وہ تمام کام انجام دئے ہیں جو مردوں کے سپرد تھے، راتوں اور دنوں انھوں نے جنگ عظیم کو کامیاب بنانے میں حصہ لیا۔

سلیم —— میرے نزدیک تو مرد، عورتوں کے سردار ہیں اور رہیں گے۔

حمیدہ —— یہ سب فضول بکواس ہے۔

(کوشک آتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پیروں کی آہٹ)

سلیم —— ہلو! کوشک! لو بھائی اب ہم بھی ۲ دو ہو گئے۔

حمیدہ —— کوشک صاحب تو ایمان کی بات کہیں گے۔

کوشک —— ضرور۔ مگر یہ تو بتاؤ معاملہ کیا ہے؟

تارا —— معاملہ یہ ہے کہ سلیم صاحب مردوں کو عورتوں کا حاکم بتاتے ہیں۔

کوشک —— یہ تو درست ہے۔ ہر وہ بات جس میں عورتوں کو آزادی ہے مجھے پسند نہیں۔

تارا —— آپ بھی بہت BACK WARD ہیں مسٹر کوشک۔ میں تو عورتوں کی آزادی یہاں تک چاہتی ہوں کہ وہ شادی سے پہلے ایک دوسرے سے ملیں، دونوں ایک دوسرے کو بخوبی سمجھ لیں

حمیدہ —— میں بھی تمہاری ہم خیال ہوں، تارا! اور یہ جو غلط کش مکش شروع ہو جاتی ہے وہ مرد کی بیجا ضد کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ذرا اب میری سنو —— میاں بیوی کی طبیعتوں کا فرق کیا کچھ مصیبت ہوتا ہے۔

شوہر: میں کہتا ہوں کہ میرا بستر کیوں نہیں بچھا؟

حمیدہ: بستر نہیں بچھا تو بچھائے دیتی ہوں۔ تیور کیوں بدل رہے ہو۔

شوہر: ایک تو کام نہیں کیا۔ اس پر بدزبانی!

حمیدہ: ہاں! بدزبانی۔ ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو!

شوہر: یعنی!

حمیدہ: اس گھر میں قدم رکھتے ہی میں مظالم کا شکار بنی۔ کلیجہ دکھایا نہیں جاتا ورنہ . . . . . .

شوہر: جھوٹی! مجھے الزام دیتی ہے میں نے

حمیدہ: ہاں! ہاں تم نے! میری تعلیم چھڑائی۔ میں کلیجے پر پتھر رکھ کر بیٹھ رہی

شوہر: میں عورتوں کی تعلیم پسند نہیں کرتا۔

حمیدہ: تعلیم پسند نہیں کرتے تھے تو کسی جاہل عورت سے شادی

کی ہوتی!

شوہر ——— ایسا بھی کر کے دکھا دوں گا۔

حمیدہ ——— جس دن ایسا کروگے میں تمہارے گھر پہ ٹھوکر مار کر نکل کھڑی ہوں گی۔

شوہر ——— تو آج ہی نکل جاؤ! میرا خون چوس لیا۔ اچھا کھانا، اچھا کپڑا، صاف ستھرا مکان، نوکر چاکر، یہ سب کہاں سے اور کیسے لاؤں۔

حمیدہ ——— نہیں لا سکتے تو چوری کرو، ڈاکہ ڈالو!

شوہر ——— بد زبان، بیہودہ . . . . . .

(تھپڑ مارتا ہے۔ تھپڑ کی آواز . . . . . .)

حمیدہ ——— رو کر۔ . . . . آہ! میں ابھی جاتی ہوں اپنے گھر!

شوہر ——— جاؤ فوراً چلی جاؤ!

حمیدہ ——— بس میں وہاں سے چلی آئی اور میں نے کالج میں داخلہ لے لیا۔

سلیم ——— تو یہ کہو! اس وجہ سے یہ مخالفت ہو رہی ہے۔

حمیدہ ——— سلیم صاحب! میں عملی طور پر زندگی کی کھکھیڑ اٹھا چکی ہوں۔ ابھی آپ ناتجربہ کار ہیں۔

سلیم ——— کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ ناتجربہ کار لڑکیاں مردوں سے مل کر ان کی افتادِ طبیعت کا اندازہ لگا سکتی ہیں؟ کیا وہ انکی شرافت نسب معلوم کر سکتی ہیں؟ کیا ان کی جسمانی صحت اور

روشنیٔ طبع کا پتا لگا سکتی ہیں؟ میرے خیال میں تو اس کے
لئے پختہ کاری کی ضرورت ہوتی ہے۔

حمیدہ —— یہ ضرور ہے کہ اس میں ذرا جلدی مناسب نہیں۔

سلیم —— غالب کا شعر تو سنا ہی ہوگا۔

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

یہ فوراً بھڑک اٹھتی ہے۔ اس کے شعلے بلند ہو کر شرم و حیا کا
دامن خاک کر دیتے ہیں۔ اور عورت کی نسوانی خوبیوں کو
خاک میں ملا دیتے ہیں۔

تارا —— میرے خیال میں تو دونوں کو ایک دوسرے کی شکل کا پسند
آنا بھی ضروری ہے۔ خوبصورتی دونوں میں محبت کا باعث
بنتی ہے۔

سلیم —— مگر برے نتائج پہلے پیدا ہو جاتے ہیں۔

حمیدہ —— یہ تو اصول کی غلطی نہیں۔ آدمی ایسی غلطیاں کریں تو اصول کیوں
بدنام ہو؟

سلیم —— مگر میں تو دیکھتا ہوں کہ "ملاقاتی کمرے" اور اس کے در و دیوار اس
اصول کو غلط بتاتے ہیں۔

حمیدہ —— اس سے کس کو انکار ہے۔ دنیا میں ہر طرح کے انسان ہوتے ہیں

سلیم —— میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ روزانہ متعدد آدمیوں سے انکی

ملاقاتیں بھی ہوتی ہیں۔

حمیدہ ـــ ہوا کریں۔ ہماری اور آپ کی ملاقاتیں نہیں ہوتیں۔

سلیم ـــ ہوتی کیوں نہیں۔

حمیدہ ـــ پھر کوئی عیب؟

سلیم ـــ کوئی نہیں۔

حمیدہ ـــ تو پھر آپ اس کے خلاف کیوں ہیں۔

سلیم ـــ نہیں EXTREMES خراب ہوتی ہیں۔ میں اس نتیجہ پہنچا ہوں۔ دونوں صورتوں میں اعتدال برتنا چاہیے۔ دونوں کو حقوق علیحدہ علیحدہ ملنے چاہئیں۔

تارا ـــ EXACTLY سلیم! پھر غلط ٹکر نا ممکن!

حمیدہ ـــ تو شکست۔

کوشک ـــ شکست۔ بو تو سلیم شکست۔

سلیم ـــ شکست۔

(سب ہنستے ہیں)

تارا ـــ اچھا

مژدہ اے شوق کہ کچھ خوشخبری آتی ہے
جھومتی آج نسیم سحری آتی ہے

(گانا آہستہ آہستہ ختم ہوتا ہے)

ہندُستان کی پہلی ریل

افراد

۱— شخص — سرکاری ملازم

۲— زمیندار

۳— تماشہ دیکھنے والے — ۱، ۲، ۳، ۴

(بادل گرج رہے ہیں، بارش ہو رہی ہے، بجلی چمک رہی ہے (ریکارڈ) ایک شخص دیہات کی ایک کچی سڑک پر گاتا ہوا جا رہا ہے)۔

شخص — (دور سے آواز نزدیک آتی ہے) ؎

درد قومی کو اگر دل میں نہاں رکھتا ہے تو
گر جگر رکھتا ہے دل رکھتا ہے سر رکھتا ہے تو
کیوں نہیں پھر آنکھ کو شعلہ نشاں رکھتا ہے تو
اٹھ کے ساتی ہو اگر تاب و تواں رکھتا ہے تو

زمیندار — (للکار کر)۔ یہ کون ہے جو رات کو غل کرتا ہوا جا رہا ہے؟

شخص — میں ہوں زمیندار صاحب ایک مسافر!

زمیندار — مسافر؟ مسافر ہو تو خاموشی سے گذر جاؤ! کیا گاؤں بھر کی نیند خراب کرنا چاہتے ہو؟

شخص — نہیں صاحب! اکیلے آ رہا تھا۔ اندھیاری اور پھر بارش۔ اس خیال سے گانے لگا تھا!

زمیندار — اچھا اب گاؤں کے باہر جا کر گانا!

شخص — میں تو آپ کے پاس تک ہی آیا تھا!

زمیندار — (تعجب سے) میرے پاس! کیا کام ہو سکتا ہے اتنی رات گئے!

شخص — جی دن میں فرصت تو ملتی نہیں۔ میرے پاس ملاقات کے لئے رات ہی کا وقت ہے!

زمیندار — کہئے کیا ہے؟

شخص — ذرا دم لے لینے دیجئے بھیگے ہوئے کپڑے اتار لوں!

زمیندار — ہاں! ہاں! کپڑے بھی اتارتے جائیے اور تذکرہ بھی جاری رکھیے۔

شخص — کوئی مضائقہ نہیں! میں دو ایک روز آپ ہی کا مہمان رہونگا۔

زمیندار — عجیب انسان ہیں آپ بھی مان نہ مان میں تیرا مہمان!

شخص — اس وقت میں صرف کام کی باتیں کرونگا، آپ کھلائیے پلائیے گا نہیں!

زمیندار — یہ تو بعد کی باتیں ہیں پہلے اپنا مطلب بیان کیجئے۔

شخص — مطلب! مطلب تو نہیں ہے فرض ضرور ہے۔

زمیندار — فرض میرے اوپر یا آپ کے اوپر؟

شخص — دونوں پر!

زمیندار — (تعجب سے) اچھا! بتائیے۔

شخص — یہ تو ہر ہندوستانی جانتا ہے کہ انگریزی سرکار سے ہندوستان کو کتنا فائدہ ہے؟ چوروں کا کھٹکا، ڈاکوؤں کا ڈر، ٹھگوں کا خوف بالکل جاتا رہا۔ ہمارے ملک کی ترقی کا بھی ان کو بہت خیال ہے۔

زمیندار — کیا خیال ہے خاک! چوروں ڈاکوؤں اور ٹھگوں سے تو ضرور نجات مل گئی مگر ملک کی بھلائی کیا کی؟

شخص ـــ اسپتال، دواخانے، شفاخانے اور نہ معلوم کتنے کارخانے ہماری بھلائی کے لئے قائم کئے ہیں۔

زمیندار ـــ یہ تو باون تولے پاؤ رتی کی بات ہے۔

شخص ـــ ابھی صاحب! اس پر بس نہیں ہے۔ سڑکوں پہ چلنے اور لمبے لمبے سفر کرنے میں جو ہمارے بھائیوں کو تکلیف ہوا کرتی تھی اس کے دور کرنے کے لئے انھوں نے ریل بنانے کی تجویز پیش کی ہے۔

زمیندار ـــ (حیرت زدہ ہو کر) ریل!!! نہ بھائی نا! میں ان سب باتوں کے سننے کو تیار نہیں ہوں۔ تم ہندوستانی ہو وہ باتیں کرو جو ہمارے باپ دادا سے ہوتی چلی آئی ہیں۔

شخص ـــ آپ پوری بات تو سنئے!

زمیندار ـــ نا بھئی نا! بس کرو! دھرم خراب ہو جائے گا۔ کلجگ آ گیا۔ بس یہی کلجگ ہے! یہ ریل کتنی لمبی ہوگی؟

شخص ـــ بیس میل۔

زمیندار ـــ بیس میل!!! نا بھئی اتنی لمبی ریل۔ ہماری رائے نہیں ہے۔

شخص ـــ آپ کی رائے کی ضرورت نہیں۔ ابھی صرف بیس میل تک ریل بنائی جائے گی۔

زمیندار ـــ (غصہ ہو کر) نکل جاؤ یہاں سے! اگر گاؤں والوں نے سن پایا تو بوٹی بوٹی اڑا ڈالیں گے!

شخص — نہیں نہیں! آپ گھبرائیے نہیں۔ ایسا نہیں ہوگا۔ ریل آپکی زمین پر سے ہو کر گذرے گی میں سرکار کی طرف سے آپکے پاس بھیجا گیا ہوں تاکہ آپ اجازت دے دیں۔

زمیندار — میں ان ولایتی باتوں کو نہیں جانتا! تم دیہات والوں سے پوچھ لو!

شخص — میں تو آپ کی زمین لینے آیا ہوں۔

زمیندار — ایک انچ زمین نہیں دونگا۔ (غصہ ہو کر) نکل جاؤ یہاں سے نہیں تو ہاتھ پیر تڑوا ڈالوں گا۔

شخص — (سنجیدگی سے) زمیندار صاحب! دھونس کی باتیں تو کیجئے نہیں! سیدھے سیدھے آپ راضی ہو جائیے نہیں تو لاٹ صاحب زبردستی زمین پر قبضہ کرلیں گے!

زمیندار — قبضہ کرلیں گے تو یہاں لاشوں کا ڈھیر بھی نظر آئے گا۔

شخص — زمیندار صاحب! پڑھ لکھ کر آپ جاہلوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔ اس وقت ان کا دور دورہ ہے وہ جو چاہیں کریں دوسرے کیا آپ یہ نہیں چاہتے کہ آپ کا ملک ترقی کرے!

زمیندار — یہ تو ہم سب دل سے چاہتے ہیں۔ مگر ریل سے فائدہ کیا؟ نہ معلوم کیا بلا ہوگی؟

شخص — اس سے فائدے تو بے انتہا ہیں! ذرا غور کیجئے۔ باہر کا مال آپ کے گاؤں آکر سستا بکے گا!

زمیندار — اور یہاں کا مال پڑا رہ جائے گا! نا بھائی اس میں تو نقصان ہی نقصان ہے۔ بھوکوں مارنے کی ٹھانی ہے کیا؟

شخص — یہاں کا مال دوسری جگہ جاکر بکے گا اور اس کے یہاں کے مقابلہ میں زیادہ دام ملیں گے!

زمیندار — تب تو ضرور فائدہ ہے!

شخص — چیزیں سستی ہو جائیں گی اور کتنے غریبوں کا بھلا ہو گا۔

زمیندار — بھئی آجکل سب اپنی اپنی سوچتے ہیں۔

شخص — تو پھر میں کل صبح سے مزدور بھرتی کر کے کام پر لگا دوں؟

زمیندار — واہ صاحب واہ! انگلی پکڑ کے پہنچا پکڑنا آپ ہی نے سکھایا ہے۔ میں اپنے دیہات کے آدمیوں کو ہرگز ہرگز نہ جانے دوں گا۔ تم لوگ انکو کرسٹان بناؤ گے!

شخص — کیسی باتیں کرتے ہیں آپ زمیندار صاحب! میں اپنے بھائیوں کے ساتھ دغا کروں گا۔

زمیندار — دغا بازوں کی بہت سی مثالیں ہمارے پاس موجود ہیں۔

شخص — ہونگی مگر یہ لوگ تو آپ کے دیہات ہی میں کام کریں گے اور انکو روزانہ کافی مزدوری دی جائے گی۔

زمیندار — ہاں! اچھا تو اجازت ہے۔ مگر پھر آپ کہیں گے کہ تمھارے گاؤں کے گھوڑوں کی ضرورت پڑے گی۔

شخص — گھوڑے! کس لئے؟

زمیندار — یہی ریل کو گھسیٹنے کے لئے! آخر وہ کس طرح چلے گی؟

شخص — (ہنسکر) اس میں گھوڑے نہیں جوتے جائیں گے۔

زمیندار — پھر۔ بیلوں کی ضرورت پڑے گی۔

شخص — (قہقہہ لگاکر) نہیں نہیں! بیلوں کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔

زمیندار — (زور سے) تو پھر کیا گدھے اور خچر جوتے جائیں گے!

شخص — نہ گدھے اور نہ خچر!

زمیندار — کیا گاڑیاں اونچی ہونگی؟

شخص — جی ہاں! کسی قدر!

زمیندار — تو پھر شاید اونٹ لگائے جائیں!

شخص — جی نہیں! وہ آگ اور پانی سے چلے گی۔

زمیندار — (متعجب ہوکر) آگ اور پانی! یہ کیسے ہوسکتا ہے، آگ فوراً بجھ جائے گی۔

شخص — نہیں نہیں — آگ الگ ہوگی اور پانی الگ!

زمیندار — پھر وہ چلے گی کس طرح!

شخص — بھاپ تیار کی جائے گی۔ بھاپ کی طاقت سے اس کے پہیے چلیں گے۔

زمیندار — کتنے من لکڑی روزانہ لگ جائے گی؟

شخص — (ہنس کر) اس میں پتھر کا کوئلہ جلایا جائے گا۔

زمیندار ـــــ تب تو اس میں سے بہت دھواں نکلے گا!

شخص ـــــ ہاں! دھواں تو ضرور پیدا ہوگا!

زمیندار ـــــ مگر اس دھوئیں سے ہمارے گاؤں کی فصلیں جو خراب ہو جائیں گی۔

شخص ـــــ اتنا دھواں نہیں ہوگا کہ فصلیں خراب ہو جائیں۔ دھواں اوپر کو جائے گا۔

زمیندار ـــــ نا صاحب! میں تیار نہیں ہوں، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ فصلیں خراب نہ ہوں! آپ ذمہ داری لیں گے ہماری فصلوں کی۔

شخص ـــــ ہاں! میں ذمہ دار ہوتا ہوں۔

زمیندار ـــــ تو جب ریل سڑک پر چلے گی تو پیدل چلنے والے مسافروں کو بڑی تکلیف ہوگی۔ ریل ہی تو ہوگی چلتے چلتے پر کیسے جائے!

شخص ـــــ وہ سڑک پر نہیں چلے گی۔ لوہے کی پٹڑیوں پر! مٹی کھود کر ریل کے لیے الگ اونچا راستہ بنایا جائے گا۔ اس پر لکڑی کے سلیپر بچھائے جائیں گے اور پھر لوہے کی پٹڑیاں جمائی جائیں گی۔

زمیندار ـــــ تو لکڑی اور لوہا کیسے باندھے جائیں گے؟

شخص ـــــ نہیں آپ پر لکڑیاں باندھے جائیں گے۔

زمیندار ـــــ یہ کہو! پہلے زمین کو لوہے کی پٹڑیوں سے باندھ دیا جائے گا تاکہ وہ ہل نہ سکے اور پھر ہم کو لوٹا جائے!

شخص ـــــ زمین کو کیا کوئی باندھ سکتا ہے

زمیندار — خیر جو کچھ بھی ہو اب آپ اپنا کام صبح سے شروع کر دیجیے گا۔

ایک شخص — چلو بھئی ریل پر بیٹھو!

شخص ۲ — نہیں میں تو مر جاؤں گا!

" ۳ — نہیں نہیں! دھرم نشٹ ہو جائے گا!

" ۴ — نہیں نہیں! یہ تو جادو ہے!

" ۵ — کوئی جن یا دیو ہوگا۔

(گھنٹہ کا بجنا۔ سیٹی کی آواز۔ ریل کا بھک بھک کر کے چلنا)

سب — بھوانی میّا کی جے۔

"آؤ لڑائی لڑیں"

نشرگاہ سرکار عالی حیدرآباد دکن سے نشر ہوا

افراد

اقبال ---- فہمیدہ کا شوہر۔ دفتر میں کلرک۔

فہمیدہ ---- اقبال کی بیوی۔

فیروز ---- فہمیدہ کا چھوٹا بھائی۔

خلیق ---- فہمیدہ کا باپ۔ اقبال کا خسر۔

(فہمیدہ اپنے کمرہ میں بیٹھی ہوئی ہے، اقبال دستک دیتا ہے)

فہمیدہ —— کون؟

اقبال —— (پھر دستک دیتا ہے) کھولو میں ہوں۔

(فہمیدہ دروازہ کھولتی ہے، اقبال اندر داخل ہوتا ہے)

فہمیدہ —— آج آپ کو بہت دیر ہو گئی۔

اقبال —— ہاں! کام زیادہ تھا! کوئی تازہ خبر۔

فہمیدہ —— کیوں نہیں، سنو! آج پھر کلو کی ماں اور اس کے باپ میں لڑائی ہو گئی۔

اقبال —— ارے کل تو لڑائی ہو ہی چکی تھی، آج پھر جھگڑ بیٹھے۔

فہمیدہ —— کیا بتاؤں۔ ان کے پڑوس میں آکر تو ہماری زندگی بھی وبال ہو گئی، صبح، دوپہر، شام۔ ہر وقت لڑائی ہی لڑائی

اقبال —— تو لڑائی ان دونوں کو بہت پسند ہو گی۔

فہمیدہ —— پسند کیا ہو گی، دونوں کی عادتیں خراب ہو گئی ہیں۔

اقبال —— عادتیں خراب گئی ہیں؟ نہیں نہیں تم سمجھتی نہیں، لڑائی میں کوئی خاص لطف آتا ہو گا۔

فہمیدہ —— ممکن ہے۔

اقبال —— ممکن ہے نہیں، ضرور مزا آتا ہو گا۔ اگر تم کو اس کا یقین نہیں آتا تو آؤ لڑائی لڑ کر دیکھ لو۔

فہمیدہ — اے یہ لو! ان کی تو ہر بات نرالی ہی ہوتی ہے۔ بھلا لڑائی بھی کوئی ایسی چیز ہے جو جان بوجھ کر لڑی جائے۔

اقبال — کیوں نہیں؟ جب کبھی لڑائی ہوتی ہی نہیں اور اس کا لطف بھی نہیں معلوم تو اس کی لذت حاصل کرنے کے لئے ضرور لڑنا چاہیے۔

فہمیدہ — ہوگا ہٹاؤ بھی! کون اپنی جان عذاب میں ڈالے۔

اقبال — جان عذاب میں ڈالنے کا تو سوال ہی نہیں۔ کوئی سچ مچ تو لڑیں گے ہی نہیں۔

فہمیدہ — تو پھر یہ بھی کوئی لڑائی میں لڑائی ہوگی۔

اقبال — ہوگی کیوں نہیں! تھوڑی دیر کے لئے تم سب کچھ بھول جانا اور ایسا ہی میں بھی کروں گا۔

فہمیدہ — اچھا اگر آج اسی پر اترے ہو تو یونہی سہی! اور اگر تم ہار گئے تو؟

اقبال — جو کہو گی لا دوں گا؟ اور ہاں اگر تم ہار گئیں تو؟

فہمیدہ — جو تم کہو گے ضرور کھلاؤنگی۔ اگر تم ہار گئے تو مجھے سونے کی انگوٹھی لاکر دینا۔

اقبال — منظور۔ اگر تم ہار گئیں تو پلاؤ کھلانا ہوگا۔

فہمیدہ — منظور۔

اقبال — مگر ابھی ایک شرط باقی ہے۔

فہمیدہ —— وہ کیا!
اقبال —— بہت مشکل شرط ہے!
فہمیدہ —— تو بتاؤ تو سہی!
اقبال —— مگر اس کو پورا کرنا ہوگا۔
فہمیدہ —— ہاں ہاں! میں وعدہ تو کرتی ہوں مگر اس کو کہو تو۔
اقبال —— اچھا سنو! اگر لڑائی کے دوران میں کوئی آجائے تو خاموش نہ ہونا۔
فہمیدہ —— نہیں نہیں۔
اقبال —— اچھا تو پھر شروع کیا جائے۔
فہمیدہ —— ابتدا آپ ہی کیجئے۔
اقبال —— بہت اچھا۔

(لڑائی کی ابتدا کے لئے بیک گراونڈ میوزک)

اقبال —— جاؤ، ایک پیالہ چائے جلدی سے بنا لاؤ۔
فہمیدہ —— کیا کہا چائے کا پیالہ؟ مجھ سے اس وقت کچھ نہ ہوگا۔
اقبال —— کیوں؟
فہمیدہ —— کیوں کیا؟ جس وقت دیکھو چائے ہی چائے، چائے نہ ہوئی نگوڑی شراب ہوگئی، ایسی منھ کو لگی کہ میرے بچارے چھوڑنے ہی کو نہیں کہتے؟
اقبال —— تم مجھ سے چائے چھوڑنے کے لئے کہتی ہو، کفر بکتی ہو کفر۔
فہمیدہ —— میں کفر کیوں بکتی؟ کفر بکے میری بلا۔

اقبال —— اچھا، اگر تم چائے اس وقت نہیں بنا سکتیں تو تم آج سے پان بھی نہیں کھا سکتیں۔

فہمیدہ —— مجھے تم پان کھانے کو منع کرنے والے ہوتے ہو کون؟ اگر تم یا پان نہیں کھانے دیتے تو میرا پاندان کا خرچ علیحدہ دو۔

اقبال —— پاندان کا خرچ؟ میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے پوری تنخواہ تم کو دیدوں اوپر سے پاندان کا خرچ بھی مانگو؟

فہمیدہ —— تم نے اس وقت پان کھانے کو منع کیا کفر بکا ہے! پان اور تمباکو اگر انسان نہ کھائے تو اس میں اور جانور میں فرق ہی کیا رہ جائے؟

اقبال —— دیکھو! زبان سنبھال کر بولو! میں پان نہیں کھاتا تو تم نے مجھے جانور سمجھ لیا؟

فہمیدہ —— اے یہ لو! تم تو جھوٹ طوفان ہی میرے سر تھوپنے لگے، میں نے تو تم کو جانور نہیں کہا۔

اقبال —— تم نے ابھی نہیں کہا کہ جانوروں کے دانت سفید ہوتے ہیں۔ کیا میرے دانت سفید نہیں ہیں؟

فہمیدہ —— ہیں کیوں نہیں؟ مگر میں نے تمہارا نام تو نہیں لیا۔ اب تم خود ہی جانور بننے لگو تو میں نہیں کہاں سے انسان بنا دونگی، ذرا سوچو تو جس کے ہونٹوں پہ پانوں سے سیاہی نہ آجائے، دانت لال نہ ہوں اور گالوں میں گلوری نہ دبی ہو

وہ بھی کوئی انسان ہے!

اقبال — پھر وہی بات۔ مگر میں ایسے منہ کو اگالدان سمجھتا ہوں۔

فہمیدہ — اے پھٹکار تمہاری سمجھ پہ! تم سمجھا کرو۔ تمہارے سمجھنے سے ہوتا کیا ہے۔

اقبال — دیکھو، اگر اب بدزبانی کی تو اچھا نہ ہوگا۔

فہمیدہ — بدزبانی کس بات کی؟ ایسی سمجھ پہ تو ضرور پھٹکار پڑنی چاہیئے جو صبح، دوپہر، شام ہر وقت حکم چلائے،

اقبال — اور مرد ہوتا کس لئے ہے؟

فہمیدہ — حکم چلانے کے لئے؟

اقبال — جی ہاں، حکم چلانے کے لئے، مرد گھر کا بادشاہ ہوتا ہے۔

فہمیدہ — اور عورت! عورت گھر کی وزیر ہوتی ہے؟

اقبال — وزیر کا فرض ہے کہ بادشاہ کا حکم مانے۔

فہمیدہ — ہاں ہاں فرض ہے کہ مانے مگر اسوقت جبکہ بادشاہ کے دماغ میں خلل نہ ہو، ورنہ وزیر بے جا باتوں سے باغی ہو جاتا ہے اور گھر کی سلطنت کا تختہ الٹ جاتا ہے!

اقبال — تو یہ کہیئے یہ گھمنڈ ہے! کہ آپ گھر کا تختہ الٹ دیں گی۔

فہمیدہ — میں نے تو نہیں کہا کہ میں گھر تباہ کرونگی، تم تو آج پیٹ بھر کر جھوٹ بولنے لگے۔

اقبال — میں جھوٹ بولتا ہوں یا تم! خود ہی تھوکتی ہو اور خود ہی

جاتی ہو،

فہمیدہ ـــــ دیکھو یہ باتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں، ایک تو حکم جتائیں اور اوپر سے مجھے بُرا بھلا بھی کہیں۔

اقبال ـــــ تم بار بار حکم جتانے کا طعنہ دے رہی ہو، آخر میں تمہیں کس واسطے لایا تھا؟

فہمیدہ ـــــ میں کیا جانوں کہ تم کس واسطے مجھے لائے تھے، مگر میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ میں لونڈی بن کر نہیں آئی تھی!

اقبال ـــــ اب تم خواہ مخواہ بات پیدا کرتی چلی جا رہی ہو، میں نے کب کہا کہ میں تم کو لونڈی بنا کر لایا تھا۔

فہمیدہ ـــــ میری جانے جوتی! تمہارے حکم نے اور تمہارے طریقہ سے میں نے یہ سمجھا ہے!

اقبال ـــــ میں تو بیوی بنا کر لایا تھا مگر بیوی بنانے کے یہ معنی نہیں کہ تم آسمان میں تھگلی لگاؤ اور میں کچھ نہ کہوں۔

فہمیدہ ـــــ (دو ہتڑ سینے پہ مار کر) ہائے اللہ! کیسے بدڈھب مرد سے پالا پڑا ہے! میں نے کون سا ایسا کام کیا جس کو تم بُرا سمجھتے ہو، اور آسمان میں تھگلی لگانا کہتے ہو۔

اقبال ـــــ یہی کیا کم ہے کہ تم بیوی بن کر میرے اوپر حکم چلاتی ہو!

فہمیدہ ـــــ ہاں! تو میں لونڈی بنکر بھی نہیں رہ سکتی۔

اقبال ـــــ تو کیا گھر کا کام کاج لونڈیاں ہی کیا کرتی ہیں۔

فہمیدہ ـــــ لونڈیاں کریں یا نہ کریں! مگر مجھے تو چوبیس گھنٹے میں ایک منٹ کے لئے بھی مر رہنے کی فرصت نہیں ملتی۔

اقبال ـــــ افسوس تو یہی ہے کہ تم مر بھی تو نہیں رہتیں۔

فہمیدہ ـــــ ہائے اللہ! اب میرے مرنے کی دعائیں مانگی جانے لگیں (روتی ہے سسکیاں بھرتی ہے)

اقبال ـــــ سُوے بہانا تو دیکھئے گویا بڑا ہی بھاری گھاؤ ہو گیا ہے؟

فہمیدہ ـــــ ہاں تمہیں کیا معلوم، جس کے دل پر گزرتی ہے اسے ہی معلوم ہوتا ہے، کلیجہ دکھانے کی چیز نہیں ورنہ میں ابھی چیر کر دکھا دیتی۔

اقبال ـــــ رہنے بھی دو اس مکاری کو، خدا کی سب سے بڑی مکار مخلوق عورت ہے!

فہمیدہ ـــــ ہاں ٹھیک ہے، اگر تکلیف ہو تو مرد کو، عورت بیچاری کی تکلیف بھی مکاری ہی معلوم ہوتی ہے۔ آج چار دن ہو گئے ہر وقت حرارت رہتی ہے۔ جھوٹے منہ بھی کبھی نہ پوچھا کہ کیسی طبیعت ہے۔

اقبال ـــــ مجھے ان سب چوچلوں کی فرصت نہیں

فہمیدہ ـــــ ہاں روٹی پکی پکائی مل جاتی ہے نا۔ کھائی اور تفریح کو نکل گئے۔ چاہے کوئی دوسرا خاک میں مل جائے۔

اقبال ـــــ روٹی! روٹی مجھے کس دن وقت پر ملی؟

فہمیدہ — کیوں؟ کون سا ایسا دن ہے کہ تم کو کھانا وقت پر نہیں ملا۔

اقبال — آج ہی دیکھ لو! اس وقت تک بھوکا بیٹھا ہوں۔

فہمیدہ — اگر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے کی دیر ہوگئی تو یہ بھی کوئی دیر میں دیر ہے

اقبال — گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی دیر! ہاں کوئی دیر نہیں۔ بالکل ٹھیک کہتی ہو!

فہمیدہ — کبھی دیر ہو ہی جاتی ہے مگر یہ تو بتاؤ تمہیں کبھی بھوکا تو نہیں سونا پڑا؟

اقبال — خدا کا شکر ہے مگر ایسی روٹی ملنے سے فائدہ! جب بڑی آنتیں چھوٹی آنتوں کو کھائیں!

فہمیدہ — اُدیر سویر تو ہوا کرتی ہے، میرے آگے کوئی پابندیاں تھوڑا ہی لگی ہیں جو کام کر دیا کرتی ہیں۔

اقبال — کیا مطلب ہے تمہارا؟ اگر نہیں لگی ہیں تو لگاؤ۔

فہمیدہ — میں کیوں لگاؤں! جب بادشاہ سلامت ہی کو فکر نہیں تو مجھے کیا غرض؟

اقبال — پھر شکایت فضول۔

فہمیدہ — میں تو شکایت ضرور کروں گی اور کیوں نہ کروں؟

اقبال — بیکار باتیں کرتی ہو۔ ایسا ہی تھا تو گھر سے دو چار نوکر اپنے ساتھ لیتی آتیں۔

فہمیدہ — مجھے کیا معلوم تھا کہ ایسا ایسے کنگال گھر جا رہی ہوں جہاں

ایک دانا بھی نہ جڑے گی۔

اقبال — کنگال گھر ہے تو میکے سے دولت لے کر آئی ہوتیں!

فہمیدہ — میکے سے لا کر تم ایسے نکھٹوؤں کو چٹا دیتی!

اقبال — نکھٹو ہوں گے تمہارے بھائی اور باپ! میں کیوں ہوتا!

فہمیدہ — دیکھو زبان سنبھال کر بات کرو، میرے بھائی اور باپ کو بُرا نہ کہنا۔

(باہر سے دستک دینے کی آواز آتی ہے! فہمیدہ چلاتی ہوئی دروازہ کھولنے جاتی ہے۔ فیروز داخل ہوتا ہے۔)

فیروز — ہیں! کیا ہوا آپا جان۔

فہمیدہ — بھیا! ہونا کیا۔ میری زندگی تو اس گھر میں آکر اجیرن ہوگئی ہے!

اقبال — بس! بڑی بھیا والی آئی! خاموش، زندگی اجیرن ہوگئی ہے!

فہمیدہ — اور نہیں تو کیا رو رہی ہے) مجھے بڑے سکھ دے رکھے ہیں!

اقبال — سکھ سسرال میں نہیں ملا کرتا۔ جا اب اپنے بھیا کے گھر چلی جا! وہاں بہت سکھ ملے گا۔

فہمیدہ — کیوں چلی جاؤں! میں تو آپ تمہاری ہی چھاتی پہ مونگ دلوں گی۔

فیروز — مگر دولہا بھائی، اپنی زبان کو ایسے لگام دیجئے۔ انتہا ہوگئی!

اقبال —— خاموش فیروز! نکل جاؤ میرے گھر سے ابھی، اور اسے بھی یہاں سے لیتے جاؤ! تمہارے گھر جب سے شادی کی میرا گھر تباہ ہو گیا۔

فیروز —— اچھا، میں ابھی اس کا مزہ چکھاتا ہوں۔

فہمیدہ —— نہیں بھیا تم نہیں بولو! ان سے تو میں نپٹ لونگی۔

اقبال —— تم کیا نپٹ لوگی۔ تمہارے کوئی اور حمایتی ہو تو اس کو بھی بلا لاؤ، میں سب کو دیکھ لوں گا۔

فیروز —— اچھی بات ہے، میں ابھی ابا جان کو بلا کر لاتا ہوں۔

(جاتا ہے .... پیروں کی آہٹ)

فہمیدہ —— دیکھو ابھی آئے جاتے ہیں میرے حمایتی، تم کو بھی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

اقبال —— حقیقت! مجھے اب کیا معلوم ہوگی! مجھے تو حقیقت اسی وقت سے معلوم ہو گئی تھی جب سے کہ تم میرے منھ کی چھچھوندر بنی تھیں۔

فہمیدہ —— چھچھوندر میں کیوں ہونے لگی! چھچھوندر ہونگی تمہاری سگی سگوتری!

اقبال —— جس دن سے میرا نکاح ہوا نہ تو میں کہیں آنے کا رہا اور نہ کہیں جانے کا، جتنی آزادی تھی سب ختم ہو گئی۔

فہمیدہ —— ہر وقت جیسے میرے گھٹنے ہی سے لگے بیٹھے رہتے ہو نا!

اقبال —— نہیں تو مجھے بڑی آزادی دے رکھی ہے نا! روزانہ سینما

جاتا ہوں اور یار دوست میں بیٹھتا رہتا ہوں۔

فہمیدہ ـــــ مجھے کیا معلوم کیا کرتے ہو اور کہاں جاتے ہو؟ دفتر سے آئے اور باہر!

اقبال ـــــ اگر میں باہر رہتا ہوں تب بھی کمانے کی فکر رہتی ہے!

فہمیدہ ـــــ تنخواہ کے علاوہ اور آج تک کتنا کمایا، میں بھی تو دیکھوں۔

اقبال ـــــ جو کچھ کمایا تمہیں کو دیا!

فہمیدہ ـــــ میں تو یہ جانتی ہوں کہ جب سے تمہارے گھر میں آئی ہوں مجھے تو ساری، جمپر اور بیلچ کوٹ میں سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوا۔

اقبال ـــــ پھر تمہارے میکے والے بھیجدیتے ہوں گے؟

فہمیدہ ـــــ اللہ رکھے میرے میکے والوں کو، اگر وہ میرے لئے کپڑے لتّے نہ بھیجتے تو آج تن پہ چیتھڑے لگے ہوتے۔

اقبال ـــــ اسی وقت تم خوش بھی رہتیں۔ پھر مجھے الزام کیوں دیتی ہو، جب تمہارے ابا جان نے لکھا تھا کہ میں کپڑے نہ دونگا میں نے بھی کہدیا تھا کہ ننگا پھراؤں گا۔

فہمیدہ ـــــ تم کو شرم تو نہیں آئی تھی لکھتے ہوئے۔

اقبال ـــــ اور ان کو ایسی بات لکھتے ہوئے لاج نہ آئی۔

فہمیدہ ـــــ بیٹی والے تو ایسا کہا ہی کرتے ہیں!

اقبال ـــــ جیسا وہ کہتے ہیں ویسا ہی وہ جواب بھی پاتے ہیں۔ اور

یہ میری شرافت ہے کہ میں نے تم کو سونے کے لئے پلنگ دیا، ورنہ جب تمہارے ابا جان نے کہا تھا کہ وہ پلنگ نہیں دے سکتے تو میں نے بھی جواب دے دیا تھا کہ میں زمین پر سلاؤں گا۔

فہمیدہ —— پھر لٹایا کیوں نہیں! ذرا زمین پر سونے کے لئے کہا تو ہوتا، میاں جی کو حقیقت معلوم ہو جاتی!

اقبال —— دیکھو میری شرافت کا دوسرا نمونہ، میں تم کو چینی کے برتنوں میں کھانا کھلاتا ہوں حالانکہ مجھے تمہیں مٹی کے برتنوں میں کھانا کھلانا چاہیے تھا۔

فہمیدہ —— جب ایسا ہی تھا تو مجھے بیاہنے کیوں گئے تھے۔

(خلیق اور فیروز آتے ہیں۔ لاٹھی کی کھٹ کھٹ کی آواز آتی ہے۔ اقبال کے پاس آ کر رک جاتا ہے)۔

اقبال —— میں کیوں کسی کو بیاہنے جاتا، تمہارے باپ بھائی میرے پاس خوشامد کرنے کے لئے آئے تھے، صبح سے شام تک پانچ پانچ چکر ہوتے تھے اور میں سیدھے منہ ان سے بات بھی نہ کرتا تھا۔

(فہمیدہ خاموش ہو جاتی ہے)

خلیق —— کیا کچھ جھگڑا ہو رہا ہے؟

اقبال ——— کچھ نہیں! مگر تم جنت میں نہیں جاؤ گی، تم نے اپنے شوہر کی شان میں گستاخی کی ہے!

فہمیدہ——— گستاخی کیسی! جو سچی باتیں تھیں وہ میں کیوں نہ کہتی؟ اب فتوے دینے چلے ہیں!

خلیق ——— (ڈنڈا زمین پر پٹک کر) جنت میں وہ جائے یا نہ جائے تم میری بات کا جواب دو!

اقبال ——— فتوے! اگر فتوے ہی پر ٹھیری ہے تو ابھی فتوے لا کر دیتا ہوں، تم سب کو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

خلیق ——— فتوے تم نے کیسے لا! پہلے میری سنو!

اقبال ——— میں کسی کی بھی نہیں سنتا! مجھے سننے کی ضرورت نہیں۔

خلیق ——— تمہیں سننا ہوگا۔

اقبال ——— اچھا کہئے، رک جائیے پہلے مجھے ان سے ایک بات پوچھ لینے دیجئے۔

فہمیدہ ——— پوچھو گے! پوچھو! کیا!

اقبال ——— جاؤ دیکھ کر آؤ۔ وہ تیار ہے نا؟

فہمیدہ——— اچھا۔

(جاتی ہے)

اقبال ——— لیجئے آپ بھی کہئے

خلیق ——— کیا میں نے تم کو ان لڑکے سے دیکھا تھی؟

اقبال —— جی نہیں!

خلیق —— کیا میں نے تمہیں اسے پریشان کرنے کے لیے ؟

اقبال —— جی نہیں!

خلیق —— کیا میں نے اسے تمہیں باندی بنانے کے لئے ؟

اقبال —— جی نہیں۔

خلیق —— کیا میں نے جو باتیں نکاح، برتن اور مسہری کے بارے میں تحریر کی تھیں، اس لئے تھیں کہ تم میری بچی کو ان کا طعن دینا۔

اقبال —— جی نہیں!

خلیق —— کیا میں نے اپنی بچی اس لئے دی تھی کہ تم مجھے اور اس کے بھائیوں کو بُرا بھلا کہو ؟

اقبال —— جی نہیں۔

خلیق —— پھر تم نے یہ سب کیوں کیا۔ (ڈنڈا زمین پر ٹیکتے ہوئے) تمہیں ان باتوں کا جواب دینا ہوگا کہ تم نے اُسے ایسا کیوں کہا ؟

اقبال —— مگر میں نے تو انہیں کچھ بھی نہیں کہا ؟

خلیق —— کچھ نہیں کہا؟ مجھ سے فیروز نے کہا کہ تم نے اس کے باپ بھائیوں کو بُرا بھلا کہا، اور خود میں نے تم کو یہ کہتے سنا کہ "تمھارے باپ بھائی خوشامد کرنے کے لئے آتے تھے"

کیوں ؟ کیا جواب ہے ؟

اقبال —— جواب کیا ہوتا ؟ یہ سب غلط ہے، جو کچھ کہا گیا جھوٹ ہے!

خلیق —— میں نے تم کو یہ کہتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا، اور اب مجھے جھوٹا بناتے ہو ؟

اقبال —— نہیں نہیں میرا یہ مطلب نہیں۔ جو کچھ میں نے کہا جھوٹ کہا ؟

خلیق —— پھر اس کی سزا۔

اقبال —— جو آپ چاہیں دیں مگر میں آپ کو یہ بتائے دیتا ہوں کہ ہماری لڑائی نہیں تھی۔

خلیق —— یہ لڑائی نہیں تھی کیا مجھے تم نے بچہ سمجھ رکھا ہے، میں نے دھوپ میں بال سفید نہیں کئے۔

اقبال —— میں آپ سے سچ کہتا ہوں! کہ ہم لوگ لڑائی نہیں لڑ رہے تھے۔ بلکہ یہ سب مخول تھا اور صرف لڑائی کا لطف حاصل کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔

خلیق —— پھر میرے منہ پر جھوٹ بول رہے ہو۔

اقبال —— نہیں، آپ یقین مانئے کہ ہم لوگ طے کر کے لڑ رہے تھے۔

کبھی دنیا میں ایسا بھی ہوا ہے ؟ میں نے اپنی آنکھ سے تم دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھا اور کانوں سے سنا، تم نے میری نادان بچی کو برا بھلا کہا۔

خلیق —— میں کس طرح آپ کو یقین دلاؤں کہ یہ لڑائی طے کر کے

لڑ رہی تھی، وہ دیکھئے۔ آپ کی صاحبزادی آ رہی ہیں،
ان سے دریافت کر لیجئے۔

(فہمیدہ آتی ہے اور کہتی ہے)

فہمیدہ —— لیجئے پلاؤ کھائیے، میں ہار گئی آپ جیتے۔

خلیق —— میں پلاؤ ولاؤ نہیں کھاؤں گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ یہ کیا بات تھی۔

فہمیدہ —— ابا جان کچھ بھی نہیں! ہم دونوں میں کبھی لڑائی نہیں ہوئی تھی، اس لئے آج طے کر کے لڑے تھے۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ لڑائی میں کیا لطف آتا ہے۔

خلیق —— عجیب بات ہے بیٹیا! دنیا میں تو کہیں اس طرح ہوتے نہیں دیکھا۔ اور یہ پلاؤ کیسا؟

فہمیدہ —— اور یہ ہارنے والے کی طرف سے دعوت ہے ابا جان! آپ بھی اس میں شریک ہو جائیے میری یہی خوشی ہے۔

خلیق —— اچھا بیٹی!

(پلاؤ کی پلیٹوں پر چمچوں کے لگنے کی آوازیں
آتی ہیں)۔

پتھر کی مورت

افراد

۱۔ راجہ اندر ــــ امرنگر کی بستی کا حاکم

۲۔ بکاولی ــــ فیروز شاہ کی بیٹی

۳۔ تاج الملوک ــــ بکاولی کا عاشق

پریاں، سازندے وغیرہ

راوی — یہ امرنگر کی بستی ہے اندر یہاں کے راجا ہیں۔

راجہ اندر کے گانے بجانے کا جلسہ ہو رہا ہے تمام

پریاں موجود ہیں۔

(ساز کے ساتھ ناچ ہو رہا ہے)

راجہ اندر — ناچ بند کرو۔ عرصہ سے بکاؤلی فیروز شاہ کی بیٹی ہماری مجلس

میں نہیں آئی۔ اس کا سبب کیا ہے؟

ایک پری — راجہ اندر کی جے ہو! اجازت ہو تو بتاؤں۔

راجہ اندر — بتاتی کیوں نہیں ہو؟ اجازت ہے۔

پری — "بکاؤلی" ایک آدم زاد کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کا نام

"تاج الملوک" ہے۔ اس نے تاج الملوک سے شادی کرلی ہے۔

راجہ اندر — (غصہ ہوکر) کیسی بدذات! پری زاد کو چھوڑ کر انسان سے

شادی؟ جاؤ! جلدی جاؤ! اور اُس کو پکڑ لاؤ۔ اس نے

ایسی حرکت کیوں کی؟

راوی — پریاں ہوا میں پہنچیں اور ایک اڑنے والا تخت بھی اپنے ساتھ

لائیں۔ بکاؤلی کے باغ میں تخت اتارا۔ راجہ اندر کا اس کو

حکم سنایا۔ وہ مجبوراً تخت پر بیٹھی اور امرنگر پہنچکر راجہ

اندر کے دربار میں حاضر ہوئی۔

(پیروں کی آہٹ)

بکاولی —— راجہ اندر کا بول بالا ہو! کیا حضور نے مجھے یاد کیا ہے؟

راجہ اندر —— (غصّہ سے) یاد نہیں کیا ہے۔ تجھے پکڑ بلوایا ہے۔ اتنے دن سے تو کہاں غائب تھی؟ ہمارے دربار میں حاضری دینے کیوں نہیں آئی؟

بکاولی —— کچھ دنوں سے مزاج کی خرابی نے مجھے یہاں نہ آنے دیا۔

راجہ اندر —— (غصہ سے) مزاج کی خرابی نے یا اس آدمی زاد نے۔ پریو! اسے لے جاؤ اور آگ میں ڈال دو۔

پریاں —— بہت بہتر حضور۔

راجہ اندر —— مگر سنو جب یہ خاک ہو جائے تو زندہ کرنے والا منتر پڑھ کر اس کی راکھ پر پانی کے ساتھ چھڑک دینا۔

پریاں —— جو حکم ہو مہاراج۔

(آگ میں جھونکنے کی آہٹ)

راوی —— پریوں نے بکاولی کو دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا۔ وہ جلی اور جل کر راکھ ہو گئی۔ کچھ دیر کے بعد پری نے منتر پڑھ کر پانی چھڑکا۔ بکاولی پھر زندہ ہو گئی اور راجہ اندر کے سامنے لائی گئی۔

(آنے کی آہٹ)

راجہ اندر — اب انسان کی بو تجھ میں باقی نہیں رہی۔ تیری سزا یہ ہے
کہ تو روزانہ یہاں ناچنے آیا کرے۔ پہلے آگ میں جلے
پھر زندہ ہو کر ناچے۔ اچھا اب اپنا ناچ دکھاؤ۔
(ساز بجتا ہے اور بکاؤلی کچھ دیر ناچتی ہے)

پریاں — مہاراج! صبح ہوا چاہتی ہے۔
راجہ اندر — کیا صبح ہو رہی ہے؟ ساز بند کرو۔ ناچ ختم کرو۔ کل
رات کو پھر حاضر ہونا۔
(جانے کی آہٹ)

راوی — اسی طرح ایک عرصہ گزر گیا۔ تاج الملوک کو خبر نہ ہوئی۔
ایک روز اس نے باغ میں بکاؤلی کو نہ پایا۔ تو یہ ارادہ
کیا کہ وہ اس راز کو معلوم کرے گا کہ بکاؤلی روزانہ کہاں
جاتی ہے۔ اس نے اپنی انگلی چاقو سے کاٹی اور اس
میں نمک بھر لیا۔ رات کو اسے نیند نہ آئی۔ بکاؤلی
کے جانے کا وقت ہوا۔ تخت آیا۔ وہ اس پر بیٹھی
اور ہوا میں اڑی۔ تاج الملوک بھی تخت کا ایک پایہ پکڑ کر
لٹک گیا اور اندر نگر جا پہنچا۔ اس نے دیکھا بکاؤلی
آگ میں جھونکی گئی۔ جل کر راکھ ہو گئی۔ مٹکے پانی

سے پھر پری کے روپ میں آئی اور اس نے ناچنا
شروع کیا۔

(ساز بجتا ہے اور ناچ شروع ہوتا ہے۔
ناچ کے درمیان میں راجہ اندر بولتا ہے)

راجہ اندر — بکاولی! آج تم کیسا ناچ دکھا رہی ہو؟ اکھڑا اکھڑا ناچ ہے۔

بکاولی — مہاراج میں کوشش تو بہترین ناچ دکھانے کی کر رہی ہوں۔

تاج الملوک۔ (آہستہ آہستہ آواز)۔ اے میاں سازندے۔ ہٹو
ذرا ساز میں تو چھیڑوں۔

سازندے — آیئے

(ساز بہت عمدہ بجتا ہے)

راجہ اندر — بکاولی! اس وقت تم نے دل خوش کر دیا۔ لو یہ نولکھا ہار
تمہارا انعام ہے۔

راوی — بکاولی واپس ہوئی تو تاج الملوک پھر تخت کے پایہ کو
پکڑ کر لٹک گیا اور باغ میں آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔
بکاولی نے تاج الملوک کو جگایا۔ وہ کہنے لگا۔)

تاج الملوک۔ بکاولی! آج میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔

بکاولی ——— (شوخی کے ساتھ) ہاں! میں بھی تو سنوں!

تاج الملوک — میں نے دیکھا کہ ہمارے باغ میں پریاں ایک تخت لائیں۔ تم اس پر سوار ہوئیں۔ اور میں اس کے ایک پائے میں لٹکا ہوا چلا گیا۔

بکاولی ——— (مذاق میں ٹالتے ہوئے) سچ کہو۔

تاج الملوک — سچ تو کہتا ہی ہوں مگر خواب کی باتیں بے سر و پا ہوتی ہیں۔ پریوں کو ان کا اعتبار نہیں ہوتا۔

بکاولی ——— نہیں نہیں۔ تمہاری بات کا اعتبار نہ ہو؟ کہو ضرور کہو، پھر کیا ہوا؟

تاج الملوک — وہاں دیکھا کہ ایک پری آگ میں جھونکی گئی۔ پھر وہ منتر کے زور سے پری بنی اور ان سے ایسا ناچ دکھایا کہ سب مدہوش ہو گئے۔

بکاولی ——— تاج الملوک۔ تم سچ کہہ رہے ہو (گھبرا کر) سچ کہو کیا تم میرے ساتھ گئے تھے

تاج الملوک — سچ تو یہ ہے کہ تخت کا پایہ پکڑ کر گیا تھا۔ سوچو ذرا کل جب تم انگوٹھا اٹھا ناچ دکھا رہی تھیں تو تمہارا انگوٹھا بھی تو میں ہی تھا۔ دیکھو یہ ہے وہ انگوٹھا جو راجہ اندر نے تم کو دیا تھا۔

بکاولی ——— افسوس! تاج الملوک! یہ نہ آدمی زاد۔ کم عقلی

کر گئے - یا تو تم پر مصیبت آئے گی یا مجھ پر -

تاج الملوک — میں بکاولی کے لئے ہر مصیبت برداشت کر سکتا ہوں جو میری وجہ سے روزانہ آگ میں جلتی ہے مگر مجھ سے کبھی تذکرہ بھی نہیں کرتی -

بکاولی —— نادانی کی باتیں نہ کرو تاج الملوک - تم اپنے دشمن آپ بنے مگر میں تم پر کوئی آنچ نہ آنے دونگی - آج پھر میرے ساتھ چلنا اور تم ہی ساز چھیڑنا -

تاج الملوک — اگر تمہاری مرضی ہے تو مجھے کب انکار ہو سکتا ہے -

---

راوی —— رات کو بکاولی تخت پر سوار ہو کر راجہ اندر کی محفل میں پہنچی - اس کے جسم سے آدمی کی بو دور کی گئی - وہ پھر سج بنی اور ناچنے کے لئے تیار ہو گئی - تاج الملوک پکھاوجی بنا اور اس نے ساز چھیڑا -

(بکاولی ساز کے ساتھ ناچتی ہے -)

راجہ اندر —— واہ بکاولی واہ! جی خوش کر دیا - مانگ آج انعام میں کیا مانگتی ہے -

بکاولی —— مہاراج! کون سی ایسی چیز ہے جو آپ کی بدولت فیروز شاہ کی بیٹی کے پاس نہیں ہے - ہاں ایک چیز چاہتی ہوں اگر مہاراج مجھے بخش دیں تو

راجہ اندر ـــــ کیا چیز جلد مانگ ؟

بکاولی ـــــ میں اس تکھاوجی کو مانگتی ہوں اور وہ اس لیے کہ ہمیشہ مہاراج کے دربار میں اسی طرح ناچتی رہوں۔

راجہ اندر ـــــ (غصہ ہوکر) ہیں۔ یہ آدمی زاد ! امرنگر میں بھی آپہنچا! بکاولی ! تو اسی سے محبت کرتی ہے نا ! اسے انسان تو ہی بکاولی سے محبت کرتا ہے ! اچھا۔ بکاولی! تجھے زبان دے چکا ہوں۔ تجھ کو یہ آدمی بخشتا۔ لیکن بارہ برس تک تیرا آدھا دھڑ پتھر کا ہو جائے گا۔

راوی ـــــ فوراً بکاولی کا آدھا دھڑ پتھر کا ہو گیا اور وہ وہاں سے غائب ہو گئی۔ شاید وہ سنگلدیپ کے جزیرہ میں گئی۔

(غمگین ساز بجتا ہے)

پریم بھکاری پریم بھکارن

افراد

۱- مگن — سیٹھ چنی لال کے باغ کا مالی

۲- پریما — سیٹھ چنی لال کی بیٹی

۳- کرشنا — پریما کی سہیلی

۴- مادھو — بھولا بابو، پریما کا عاشق

۵- چنی لال — الہ آباد کے مشہور و معروف سوداگر

(سازوں کی ہلکی ہلکی آواز آہستہ آہستہ تیز ہوتی ہے - پھر ریکارڈ بجتا ہے
چڑیاں چہچہاتی ہیں - ریکارڈ ختم ہوتا ہے) -

اعلان ——— ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے - پھولوں کی بھینی بھینی مہک چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے - یہ سیٹھ چمنی لال کی کوٹھی ہے - اس کے پاس ہی جمنا ندی موجیں مار رہی ہے - کوٹھی کے باغ میں بڈھا مالی کیاری ٹھیک کر رہا ہے - اور یہ گا رہا ہے -

مگن ——— (گاتا ہے) -

لے چل جمنا کے اس پار . . . . . ساجن
ساجن ہم نے مانی ہار . . . . . ساجن
تیرے سنگ ہے دل کا پیار . . . . . ساجن
ساجن ہم نے مانی ہار . . . .
لے چل جمنا کے اس پار

(بہر لہر)

(کسی کے آنے کی آہٹ - پیروں کی چاپ)

مگن ——— (گانا ختم کرتے ہوئے) - کون ہے بھیا! یہاں کون آیا ہے؟

پرمیلا ——— (زور سے ہنس کر) میں ہوں مگن - تم تو گھبرا گئے؟

مگن ——— نہیں دیوی جی! میں سمجھا کہ بچے ہیں - آم توڑنے آئے ہیں -

پرمیلا ——— اسوقت تم بہت خوش معلوم ہوتے ہو مگن۔ تم بہت مزے میں گا رہے تھے۔ ذرا ایک بار وہی گانا تو سناؤ۔

مگن ——— دیوی جی! میں کیا گانا گا سکتا ہوں۔ آپ کے حکم کی وجہ سے پھر گائے دیتا ہوں۔ (گاتا ہے)

ساجن ہم نے مانی ہار۔ ۔ ۔ ۔ ساجن

لے چل جمنا کے اُس پار۔ ۔ ۔ ساجن

پرمیلا ——— بس مگن بس۔ آج تم نے یہ گانا گا کر مجھے بیچین کر دیا۔

مگن ——— (گھبرا کر) بیچین۔ پرمیلا دیوی بیچین ہو گئیں۔ معاف کیجئے دیوی جی میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔

پرمیلا ——— اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ میں ہی پاپی ہوں۔ مگن!

مگن ——— کیا کہہ رہی ہیں آپ دیوی جی! پاپی!

پرمیلا ——— ہاں مگن پاپی۔ دنیا میں سب سے بڑا پاپ "پریم" کرنا ہے۔

مگن ——— مگر پرمیلا دیوی نے تو کوئی پاپ نہیں کیا؟

پرمیلا ——— پرمیلا دیوی نے کوئی پاپ نہیں کیا؟ دنیا کو نہیں معلوم۔ پتا جی کو نہیں معلوم۔ اور تمہیں بھی نہیں معلوم مگر میرے دل اور میرے ایشور کو معلوم ہے۔

مگن ——— (آہستہ سے) ایسی بات ہے! کس سے پریم ہے دیوی جی؟

پرمیلا ——— اس بیدردی سے جس نے پرمیلا سے پریم کیا۔

مگن ——— (زور سے) ہوں! بھولا بابو۔

پریما ——— یہ کیا کہہ رہے ہو مگن! بھولا بابو!

مگن ——— کچھ پتا نہیں دیوی جی وہ کہاں گئے؟

پریما ——— جہاں ان کو پریم کی بھیک ملی ہوگی۔ میرے پتا جی کس قدر تنگ دل ہیں۔ انھوں نے ان کی ایک نہ مانی۔

(پریما کی سہیلی کرشنا آتی ہے اور دور سے آواز دیتی ہے)

کرشنا ——— پریما! بہن پریما!

پریما ——— کیا ہے کرشنا؟ آؤ یہاں آؤ۔

کرشنا ——— (پاس آکر) اچھا! مگن سے باتیں ہو رہی تھیں۔

پریما ——— ہاں مگن سے! وہ میرا سچا ہمدرد ہے۔ وہ میرے دکھ کی کہانی سنتا ہے۔

کرشنا ——— تمہارے دکھ کی کہانی! کیا ہے میں بھی تو سنوں؟

پریما ——— تم اسے سن کر کیا کرو گی کرشنا؟

کرشنا ——— کیوں! کیا مجھے کوئی حق نہیں ہے؟ میں تو عورت ذات ہوں میں تمہاری صحیح معنوں میں راز دار ہو سکتی ہوں۔

پریما ——— راز اور عورت! ناممکن۔ کیسی باتیں کر رہی ہو کرشنا۔

کرشنا ——— ارے مگن۔ کوئی گانا تو سنا دو۔

مگن ——— کیا سناؤں سرکار۔

کرشنا ——— وہی سناؤ جو تم نے ایک دن اپنے مالک کے سامنے گایا تھا۔

مگن ——— بہت اچھا۔ (گاتا ہے)۔

کھیل نہیں ہے پریت
سنجنی
کھیل نہیں ہے پریت
کون ہے کس کا میت
سنجنی
کھیل نہیں ہے پریت

کرشنا —— بس مگن بس۔ تم بہت اچھا گاتے ہو۔ اچھا جاؤ اپنا کام کرو۔

مگن —— بہت اچھا۔ (جاتا ہے)

کرشنا —— سنتی ہو پریمیا۔ میں تمہارے لئے ایک خوشخبری لائی ہوں۔

پریمیا —— کیا؟

کرشنا —— کل تمہارے پتاجی میرے گھر آئے تھے۔

پریمیا —— (تعجب سے) اچھا! پھر کیا ہوا؟

کرشنا —— کہہ رہے تھے کہ پریمیا کے لئے ایک بہت اچھا بر ملا ہے۔

پریمیا —— بر؟ میرے لئے۔

کرشنا —— ہاں، ہمارے شہر کے مشہور سوداگر۔ گوپی ناتھ۔ لکھ پتی آدمی ہیں۔ بڑے کاروبار والے آدمی ہیں۔ اور شہر میں ان کی بڑی بات ہے۔

پریمیا —— ہاں، بات بڑی ہے۔ بڑے آدمی ہیں۔ لکھ پتی ہیں مگر پریمیا کے لئے نہیں، کرشنا کے لئے۔

کرشنا ——— تم تو بُرا مان گئیں پریما۔

پریملا ——— نہیں۔ میں تو بُرا نہیں مانی!

کرشنا ——— تو تم کو خوشی نہیں ہوئی؟

پریما ——— خاک بھی نہیں۔

کرشنا ——— چلو بس رہنے بھی دو۔ چاہے من میں لڈو ہی کیوں نہ پھوٹ رہے ہوں۔

پریما ——— جاؤ جاؤ! ایسی باتیں کسی اور سے بناؤ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ ایسے آوارہ بدمعاش اور بدمزاج انسان سے میری شادی۔ تم اُسے انسان سمجھتی ہو جو دن رات عیش و عشرت میں مشغول رہتا ہو اور جو اپنی اور پرائی بہنوں میں امتیاز نہ کر سکتا ہو۔ جس کو ہر وقت جام عشرت سے مطلب ہو۔ چلو! اپنا راستہ لو! ایسا بر میرے پتا جی ہی کو مبارک رہے۔

کرشنا ——— تو کیا تم کو یہ رشتہ پسند نہیں ہے۔

پریما ——— نہ ہے اور نہ قیامت تک ہوگا۔

کرشنا ——— تو پھر کیا میں چاچا سے کہہ دوں۔

پریما ——— کہہ دو۔

کرشنا ——— تو پھر میں جا کر کہے دیتی ہوں۔

پریما ——— جاؤ اور کہہ دو۔

(کرشنا جاتی ہے۔ مگن نزدیک آتا ہے۔
پیروں کی آہٹ معلوم ہوتی ہے)

مگن ——— پریما دیوی! کیا کہہ رہی تھیں کرشنا بہن؟
پریما ——— کچھ نہیں مگن۔ وہی پرانی کہانی!
(دور سے گانے کی آواز آتی ہے
اور نزدیک ہوتی جاتی ہے۔)

تن من دھن سب اس نے لوٹا
میرا جیون اس نے لوٹا
بولو اس کے جے جے کار سے
پریم گنگا آئی دوار سے

مگن ——— کوئی بہت اچھا گانے والا سادھو ہے۔
پریما ——— ہاں! کیسا میٹھا اور سہانا گیت ہے اور کیسی درد بھری آواز ہے۔
مگن ——— ہاں دیوی جی! حکم ہو تو اس کو بلا لاؤں اس سے گانا سنا جائے۔
پریما ——— جاؤ مگن۔ ضرور بلا لاؤ۔
(مگن جاتا ہے)
پریما ——— کوئی مصیبت زدہ معلوم ہوتا ہے ورنہ اس کی آواز میں کبھی اس قدر درد نہ ہوتا؟

آواز ——— آواز نزدیک آتی ہے - یہاں تک کہ وہ مائیکروفون پر
گانے لگتا ہے۔

تن من دھن سب اس نے لوٹا
میرا جیون اس نے لوٹا

پریما ——— کس نے لوٹا سادھوجی !
سادھو ——— کسی نے نہیں دیوی جی
پریما ——— اور آپ ابھی یہ کیسا گا رہے تھے ؟
سادھو ——— یہ تو وقت گزارنے اور دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے
گاتا ہوں ۔
پریما ——— کسی نے آپ کے جیون کو ضرور لوٹا ہے سادھوجی جبھی
تو آپ کے گانوں میں اس قدر درد ہے ۔ اس گانے کے
ایک ایک لفظ میں ایک ایک داستان چھپی ہوئی ہے ۔
سادھو ——— کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہیں آپ دیوی جی !
پریما ——— مگن ۔ جاؤ سادھوجی کے لیے کچھ لے آؤ ۔
مگن ——— بہت اچھا سرکار ۔

(جاتا ہے)

پریما ——— کیا آپ ایک گانا مجھے اور سنائیں گے ۔
سادھو ——— میں فرمائش پہ گانا نہیں سنایا کرتا میں بھیک مانگنے والا
سادھو نہیں ہوں ۔

پریمیا ——— مگر میں تو دان دینا چاہتی تھی۔

سادھو ——— بھگوان بھلا کریں۔ آپ کا دیوی جی۔ ایشور آپ کو سکھی رکھیں مجھے دان کی ضرورت نہیں۔

پریمیا ——— پھر آپ کیسے سادھو ہیں؟

سادھو ——— میں بھیک مانگنے والے سادھوؤں میں سے نہیں ہوں آپ کی کرپا سے اور ایشور کی دیا سے میرے پاس سب کچھ ہے۔

پریمیا ——— پھر یہ جوگ کیوں لیا ہے؟

سادھو ——— پریم دیوی کی خاطر۔ میں بھکاری ضرور ہوں مگر "پریم بھکاری"۔ میں پریم دان لیتا ہوں۔ اگر دنیا ہے تو پریم کی بھیک دے دو۔

پریمیا ——— آپ دکھی معلوم ہوتے ہیں سادھو جی!

سادھو ——— دکھی! ہاں! دکھ اور سکھ تو جیون کے ساتھ ہیں۔ وہ زندگی نہیں جس میں دکھ نہ ہوں۔

پریمیا ——— سادھو جی! رہتے کہاں ہیں آپ؟

سادھو ——— پریم نگر میں

پریمیا ——— یہ کہاں ہے؟

سادھو ——— پریم ندی کے کنارے۔

پریمیا ——— یہ ندی کہاں ہے؟

سادھو ــــ پریمیوں کے دلیش میں۔

پریما ــــ عجیب پتا ہے آپ کا۔ اگر کوئی آپ کو ڈھونڈھے تو
آپ کہاں ملیں گے ؟

سادھو ــــ پریم دوارے۔

پریما ــــ آپ دان بھی نہیں لیتے ! میں آپ کی کیا مدد کرسکتی ہوں ؟

سادھو ــــ میری مدد۔ آپ بھول رہی ہیں دیوی جی۔ آپ خود
اپنی مدد نہیں کرسکتیں۔ میری مدد کیا کریں گی ؟

پریما ــــ کیوں ؟

سادھو ــــ اس لئے کہ آپ عورت ہیں دیوی۔ میری مدد کرنے کیلئے
بڑی قوت کی ضرورت ہے !

پریما ــــ کیا وہ قوت عورت میں نہیں ہوتی ؟

سادھو ــــ نہیں دیوی !

پریما ــــ آپ پھر بھول رہے ہیں سادھو جی ! آپ عورت ذات
کو کمزور سمجھتے ہیں۔

سادھو ــــ بیشک۔

پریما ــــ نہیں سادھو جی ! میں کہتی ہوں آپ پھر غلطی کر رہے ہیں۔

سادھو ــــ عورت ذات کمزور ہوتی ہے۔ اس میں اتنی اخلاقی جرأت
نہیں ہوتی کہ وہ پریم کے سامنے دنیا کو چھوڑ دے۔ وہ
سب کچھ چھوڑ سکتی ہے مگر دنیا نہیں چھوڑ سکتی۔

پریما ——— آپ چیونٹی کی طاقت کو بھول رہے ہیں بابا! ایک عورت کی قوت کو آپ نہیں سمجھ سکے۔ آپ کو اس کا ثبوت نہیں ملا۔

سادھو ——— مجھے ثبوت کی ضرورت نہیں۔ میں دیکھ چکا ہوں۔

(سیٹھ چنی لال کے آنے کی آہٹ)

چنی لال ——— (دور سے) کون ہے؟

پریما ——— ایک سادھو ہیں پتا جی! میں نے انہیں گانے کے لئے بلایا تھا۔

چنی لال ——— تو کیا یہ بہت اچھا گاتے ہیں۔

پریما ——— جی ہاں! پتا جی!

چنی لال ——— اچھا تو ان سے کہو ایک گانا سنا دیں۔

پریما ——— سادھو جی! پتا جی کو ایک گانا سنا دیجئے۔

سادھو ——— بہت اچھا دیوی جی!

(گاتا ہے)

پریم کے تھے دو نوں متوالے
دل میں تھے دونوں کے چھالے
دونوں کا ارمان تھا درشن
پریم بھکاری پریم بھکارن

چنی لال ——— خوب گاتے ہیں آپ سادھو جی!

سادھو —— یہ آپ کی مہربانی ہے۔

چنی لال —— آپ اصل میں کون ہیں سادھو جی!

سادھو جی — میں پریم بھکاری ہوں۔ کسی کی تلاش میں خود کو کھو چکا ہوں۔ پریم کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہوں۔ بالکل مدہوش۔

چنی لال —— آپ بالکل مدہوش ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

سادھو —— وجہ۔ پریم کی دنیا سب سے الگ ہے، ہے یہ عجیب سنسار اس دنیا میں کوئی نہ جیتا، سب نے مانی ہار

چنی لال —— آپ کس سے پریم کرتے ہیں کچھ معلوم بھی تو ہو۔

سادھو جی —— میں پریم دیوی سے پریم کرتا ہوں۔ ان کی پوجا کرتا ہوں۔ وہ بڑی پریمی ہیں۔ میں انہی کا پریم پجاری ہوں۔

چنی لال —— پریم دیوی کی پوجا کرتے ہیں آپ۔ وہ کون دیوی ہیں؟

سادھو —— کیا بتاؤں؟ وہی پریم دیوی! جو امرت سے زیادہ میٹھی۔ چاند سے زیادہ چمکدار اور رنگلا ہے زیادہ رنگین ہیں (آواز بھرا جاتی ہے اور سسکیاں لینے لگتا ہے)۔ وہی دیوی جو میرے من میں بسی ہوئی ہیں۔ وہی جن کا میں پریم جگو رہا ہوں۔ وہی دیوی جو میرے آنسوؤں میں جھلکتی ہیں۔

پرکاش —— (تعجب سے) رو نے لگے آپ بھکاری بابا۔ یہ کیوں؟

سادھو — روتا نہیں ہوں دیوی! آنکھیں بیمار ہیں۔ آج سے وہ اچھی ہونے لگی ہیں۔ بھگوان بھلا کریں آپ کا دیوی جی۔ اب آپ مجھے جانے دیں۔

(جانے لگتا ہے)

پرمیلا — (بھاگ کر) ٹھہریئے تو بھکاری جی! آپ نے یہ کیا غضب کیا۔ ابھی آپ نے اپنی پریم دیوی کا نام تو بتایا ہی نہیں۔ بتا دیجئے کس سے پریم کرتے ہیں آپ؟

سادھو — میری پریم دیوی کا نام۔ نہ پوچھو دیوی۔

چنی لال — مگر بتا دینے میں کیا ہرج ہے؟

سادھو — میں کس سے پریم کرتا ہوں؟ سارے سنسار سے دیوی۔ باغ کے پتے پتے سے اس کی کلی کلی سے اور پھول پھول سے۔ دنیا کی ہر ایک چیز میں میری منموہنی جھلک رہی ہیں۔

پرمیلا — مگر آپ کی پریم دیوی نے اس پر بھی آپ کو پریم دان نہیں دیا۔

سادھو — دیا کیوں نہیں؟ آج بھی درشن دان دیا ہے برسوں کے بعد — بمبئی کی ملاقات کے بعد۔ آج جبکہ جمنا کی رنگین اور پر فضا لہروں میں ان کو ڈھونڈنے کے لئے گیا تھا۔ سبزے کے لہلہانے میں اور چڑیوں کے بولنے میں آج میں نے ان کو دیکھا . . . . . اس وقت وہ

آئیں، انھوں نے مجھے ایک بند خط دیا اور وہ چلی گئیں

چنی لال —— وہ بند خط کہاں ہے؟

سادھو —— کیا آپ پڑھنا چاہتے ہیں؟

چنی لال —— نہیں۔ صرف آپ کی پریم دیوی کا نام معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

سادھو —— میں نے آج تک اس خط کو نہیں کھولا۔ مجھے نہیں معلوم اس میں کیا لکھا ہے؟ لیجیے آپ دیکھ سکتے ہیں۔

پریما —— مجھے دیجیے سادھو جی!

سادھو —— لیجیے۔

پریما —— شکریہ۔

(لفافہ پھاڑنے کی آواز)

چنی لال —— (تعجب کے ساتھ) کیا؟ پریما کی تصویر۔۔۔۔

پریما —— میری تصویر۔۔۔۔۔

سادھو —— (سکوت کے ساتھ) نہیں میری پریم دیوی کی تصویر۔

پریما —— تم۔۔۔ تم۔۔۔ بھکاری نہیں ہو۔۔۔
۔۔۔ بھولا بابو۔۔۔ تم نے یہ سنجوگ لیا۔۔
۔۔۔ میری خاطر۔

سادھو —— کیا کہہ رہو دیوی جی! میں بھولا نہیں۔۔۔ میں پریم بھکاری ہوں اور پریم دان مانگتا ہوں۔

چینی لال ——— (غصہ ہوکر) مکار - بدمعاش - تو اب پھر آگیا - سادھو کا بھیس بھر کر -

سادھو ——— ناراض نہ ہو بابا! پریم کی بھیک نہیں دینا ہے نہ دو -

پریا ——— نہیں پتاجی - ان کو برا نہ کہئے - یہ بھولا بابو ہیں - انھوں نے میری خاطر یہ سنجوگ لیا -

چینی لال ——— تم نہیں سمجھتیں بیٹی - یہ سادھو نہیں وہی بھولا ہے جو تم سے شادی کرنا چاہتا تھا -

پریا ——— مگر اب تو وہ شادی کرنا نہیں چاہتے - اسی وقت تو میں ان کو پریم دان دے رہی ہوں -

چینی لال ——— یعنی

پریما ——— یعنی یہ کہ میں ان کو پاکر اب نہ کھوؤں گی - بھولا بابو! مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو!

چینی لال ——— کیا کہا! تم بھی اس کے ساتھ جاؤ گی؟ نہیں ہرگز نہیں -

پریما ——— اس کے تو کوئی معنی نہ ہوئے پتاجی! میں آپ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہتی - مگر پریم کی دنیا میں کسی کا حکم کسی کے دل پر نہیں چلتا -

چینی لال ——— مگر بیٹی میں گوپی ناتھ کو کیا منھ دکھاؤں گا -

پریما ——— اس سے کہہ دیجئے گا کہ پریا پریم ندی میں نہانے

گئی تھی اور وہاں پریم کی لہروں میں غائب ہو گئی۔

چنی لال: اس طرح میری بدنامی ہو گی۔

پریا: نہیں پتاجی! آپ کی بدنامی نہیں ہو گی۔ میں پریم بھکارن بن کر اپنے دیش کے جنگل جنگل اور پہاڑ پہاڑ جاکر اپنے ایشور کی یاد میں اپنا وقت گذاروں گی۔

چنی لال: اور اس محل میں کون رہے گا؟

پریمیا: آپ پتاجی! ایشور آپ کو رہتی دنیا تک سلامت رکھیں۔ آپ جانتے ہیں کہ پریم بھکاری کسی ایک جگہ نہیں رہتے۔ وہ پریم مندر میں صرف پوجا کرنے کے لئے جاتے ہیں۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ اجازت دیجئے پتاجی! آج سے میرا دوسرا جیون شروع ہوتا ہے۔

چنی لال: سادھوجی! یہ آپ نے کون سا منتر میری پتری پر پڑھا ہے۔

سادھو: معاف کیجئے گا۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ مجھے خود نہیں معلوم کہ یہ کیسا جادو ہے اور اس کا اور چھور کہاں ہے؟

(گاتا ہے)

پریم ندی میں پریم کی گریا۔ کیسے ملے گا چھور۔۔۔۔۔۔

۔۔ ۔۔ کیسے ملے گا چھور سا جن

پریمیا: پریم کا ساگر اُمڈ آئے

سادھو ــــــــ من کی نیا بیٹھی جائے
پریمیا ــــــــ پریم کھیویا تم نہیں آئے
دونوں ــــــــ پریم ندی میں پریم ڈگریا
(لگاتے ہوئے دونوں آہستہ
آہستہ دور نکل جاتے ہیں۔)

پریم

میر تقی میر کی مثنوی ——— دریائے عشق

بطرز فیچر

نشرگاہ حیدرآباد دکن سے نشر ہوا۔

افراد

۱ —— جوگن

۲ —— مسافر

۳ —— آواز

ساز

ایک جوگن دھونی رمائے ہوئے بیٹھی ہے اور یہ گا رہی ہے۔

جوگن ——— گانا

کوئی نہیں ہے پاس سکھی ری! کس سے کروں میں بات
سکھی ری! کس سے کروں میں بات!
میں ہوں اکیلی، دل گھبرائے
کوئی پہلو چین نہ آئے
غم کی بدلی ہر سو چھائے
اب تک ساجن کیوں نہیں آئے
کوئی نہیں ہے پاس سکھی ری کوئی نہیں ہے پاس.....
کس سے کروں میں بات
کالی گھٹائیں چھائیں ہر سو، اور اندھیری رات
سکھی ری کس سے کروں میں بات
برکھا کی یہ مست ہوائیں
ساون کی گھنگھور گھٹائیں
ہنس ہنس گنگا جل برسائیں
آس لگی ہے پریتم آس
بجلی چمکے .. .. کوندا لپکے .. .. اور بھری برسات!

کوئی نہیں ہے پاس سکھی ری، کس سے کروں میں بات

(ایک مسافر جو ادھر سے گذرتا ہے،
رک جاتا ہے اور دریافت کرتا ہے)

مسافر ——— جوگن صاحبہ! یہ دھونی کیوں رمائی ہے؟

جوگن ——— جا بابا اپنا کام کر، ہم درد کے ماروں سے تجھے کیا مطلب؟

مسافر ——— مطلب تو کچھ نہیں مگر آپ کا دردانگیز گانا سنکر مجھے اپنے بھولے بسرے دن یاد آ گئے، آپ کو "سکھی" کی یاد تڑپا رہی ہے، اور مجھے "پریم دیوی کی"۔

جوگن ——— میرا گانا گانا نہیں ہے بلکہ ان پریمیوں کی یادگار ہے جو پریم نگر میں رہ کر ایک دوسرے سے پریم کرتے تھے

مسافر ——— یہ پریم نگر کہاں آباد ہے؟

جوگن ——— اس پریم ندی کے کنارے جو پریم نگر سے گذر کر پریم ساگر میں گرتی ہے۔ جس میں یہ دونوں پریم دکھی ایک دوسرے سے گلے ملے۔

مسافر ——— ان پریمیوں کا نام کیا تھا؟

جوگن ——— نام! ... نام ... ایک پریم دیوی اور پریم دیوتا ... دونوں نے اپنا جیون "پریم دان" میں دے دیا۔

مسافر ——— ہیں پریم دان میں جیون!

جوگن ——— ہاں پریم داان ہیں جیون! سچے پریمی ایسا ہی کرتے ہیں؟

مسافر ——— مجھے سردی معلوم ہو رہی ہے جوگن صاحبہ۔۔ ۔۔
میرا دل گھبرا رہا ہے ۔۔ ۔۔ ۔۔

جوگن ——— بیٹھ جاؤ آگ کے پاس! گھبراؤ نہیں ۔۔ ۔۔ ۔۔
تمہاری سب تکلیف ابھی دور ہو جائے گی۔۔ ۔۔
تم نے شاید ابھی "پریم امرت" پیا نہیں ہے۔

(جوگن گاتی ہے)

عشق چھپا کر پچھتائے ہم سوکھ گئے رنجور ہوئے
یعنی آنسو پی پی گئے سوزِ غم ناسور ہوئے
ہم جو گئے سرمستِ محبت اس اوباش کے کوچے میں
کھائیں کھڑی تلواریں اس کی زخمی نشہ میں چور ہوئے
کوئی نہ ہم کو جانے تھا ایسے تھے گمنام آگے
لیکن عشق سے رسوا ہو کر شہروں میں مشہور ہوئے

مسافر ——— آپ تو بڑے دلسوز گانے گاتی ہیں، سچ بتائیے جوگن صاحبہ ۔۔ ۔۔ کیا گانا گانے سے پریم آگ کم ہو جاتی ہے۔

جوگن ——— پریم آگ! جتنی دبائی جاتی ہے اسی قدر سلگتی ہے۔
اگر ہر گانے سے کم ہو جاتی تو کبھی کی بجھ چکی ہوتی۔۔۔۔
پریم۔ اسکی عجیب کیفیت ہے۔ یہ انسان کو انتہائی

پابندیاں عطا کرنے کے بعد انتہائی گہرائیوں تک پریمیوں کو پہنچا دیتا ہے۔

مسافر ——— پریم کی دی ہوئی عظمتیں اور ریستاں ہمیشہ ظاہر ہو جاتی ہیں، انسان اگر یہ چاہے کہ ان کو قبر تلک راز رکھے تو یہ ناممکن ہے اس لئے جوگن صاحبہ! "سکھی" کی دکھ بھری کہانی ایک بار سنا دیجئے ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔

جوگن ——— سکھی کی کہانی ۔۔ ۔۔ ۔۔ اچھا سنو،

ایک جا اک جوان رعنا تھا ؛ لالہ رخسار سرو بالا تھا
دیکھتا گر کہیں وہ جسم سیاہ ؛ دل سے بے اختیار کرتا آہ
ایک دن بیکلی سے گھبرایا ؛ سیر کرنے کو باغ میں آیا
دیکھ گلشن کو ناامیدانہ ؛ منہ کیا اس نے جانب خانہ
ایک غرفہ سے ایک مہ پارہ ؛ تھی طرف اسکے گرم نظارہ
پڑ گئی اسپہ ایک نظر اسکی ؛ پھر نہ آئی اسے خبر اسکی
منہ جو اس کا طرف سے اسکا پھرا ؛ مضطرب ہو کے خاک پر یہ گرا

مسافر ——— (گھبرا کر) ۔ کیا کہہ رہی ہیں آپ جوگن صاحبہ! یہ تو پریم کہانی معلوم ہوتی ہے۔

جوگن ——— پریمیوں کی بہت سی باتیں ایک سی ہوتی ہیں ۔ دراصل یہ پہیلیاں ہوتی ہیں ۔ ان کو پریم پجاری ہی بوجھ سکتے ہیں ۔ بس ۔

اُڑ گئی سامنے سے یک بارہ   چھاڑ دامن کے تئیں وہ مہ پارہ
خاک میں مل گئی وہ رعنائی   وہ گئی اس کے سر بلا آئی

مسافر ——— ایک ہی نظر میں اسکی جوانی کی بہاریں لوٹ لیں!

جوگن ——— ہاں وہ چاند سے زیادہ چمکدار، گلاب سے زیادہ خوبصورت اور حور سے زیادہ حسین تھی، اس کا وہ پریم چکور بنا، پریم ہی اس کا کھانا پینا اور پریم ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اپنے من کے پریم مندر میں پریم دیوی کی پوجا کرتا، اس پر پریم کے ہار چڑھاتا اور پریم کے بھجن گاتا۔

مسافر ——— کیا اسکی پریم دیوی سے ملاقات نہیں ہوئی؟

جوگن ——— ملاقات! اس کے پریم دیوی کو آسمان کے تارے تارے میں ڈھونڈا، چاندنی راتوں میں چکور بن کر تلاش کیا، بلبلوں کی بولیوں میں، پھولوں کی بھینی بھینی مہک میں، کوئل کی کوکو میں غرض ہر اس شے میں جس سے اسکو پریم ہو سکتا تھا، تلاش کیا مگر پریم دیس میں، پریم دیوی کا راز نہیں معلوم ہوا کرتا ۔۔ ۔۔ ۔۔ تڑپتے ہوئے دل کا خوبصورت اور سنہرا راز ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ بھگوان کسی کو پریم رس نہ چکھائے ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

مسافر ——— تو اس امرت سے زیادہ میٹھی پریم دیوی کے پریم نے کیا کیا؟

جوگن ——— کیا کیا؟ یہی کہ ۔۔ ۔۔ ۔۔

ہاتھ جانے لگا گریباں تک — چاک کے پھیلے پاؤں داماں تک
طبع نے اک جنوں کیا پیدا — اشک نے رنگ خوں کیا پیدا
سوزش دل نے جی میں جا کر کی — داغ نے آ جگر کو آتش دی
کچھ کہا گر کسو نے شفقت سے — رو دیا اُن نے ایک حسرت سے

مسافر —— اس کو پریم دیوی سے نفرت دلائی جاتی۔ کوئی ایسی بات کہہ دی جاتی جس سے وہ اس کو برا سمجھنے لگتا۔

جوگن —— سب کچھ کہا گیا مگر اُلٹا

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
آخر کو اس بیماریِ دل نے اپنا کام تمام کیا

لوگوں نے اس کو پاگل کہنا شروع کیا۔ ۔ ۔ ۔ وہ پاگل نہیں تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پریم پاگل تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آخر میں سب سمجھ گئے کہ یہ کسی کا پریم پجاری ہے۔ اس حسین کنواری پریم دیوی کے نام بھی گہن لگنے لگا تو

وارث بھی اس کے بدگمان ہوئے
درپئے دشمن جان ہوئے
مشورت تھی کہ مار ہی ڈالیں
دفعتاً اس بلا کے تئیں ٹالیں

مسافر —— عزت جو دکھائی نہیں دیتی، جو چھوئی نہیں جا سکتی، جو ہے بھی اور نہیں بھی۔ لوگوں کو دھوکے میں ڈالتی ہے۔

عزت کا بول بالا ہو کہ اس سے پریمیوں کا پریم مضبوط ہوتا ہے، یہ پریم کو ٹھکراتی ہے اور پریم اور بڑھتا ہے۔

جوگن —— ہاں اسی عزت نے سب تو اس پریم دیوتا کو مارنے کے لئے اکسایا مگر ایشور بھلا کریں اس آدمی کا جس نے انکو سمجھایا کہ اگر اسکی جان لے لی تو دنیا کہے گی کہ

کیا منظور تھا کہ یہ جواں مارا
کس نے مارا اسے کہاں مارا

اسلئے

کیجئے ایک ڈھب سے اس کو تنگ
تا نہ عابد ہو اپنی جان سے تنگ
تہمتِ خبط رکھئے اس کے سر
کیجئے سنگسار اس کو پھر
دیجئے دیوانہ اس جواں کو قرار
ہو گئے سارے درپئے آزار
ایک نے سختی کر کے تنگ کیا
ایک نے آ کے زیرِ سنگ کیا
کی اشارت کہ کو دکانِ شہر
آئے سب پُر غصہ و پُر قہر

مسافر —— تو کیا ان باتوں سے پریم کی گھاتیں بدل جاتی ہیں؟

جوگن —— نہیں ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ .. اس کا پریم سالے

سنسار میں پھیلا مگر اسے پریم دان نہیں ملا اس پہ پریم دیوی کے رشتے ناتے والے بہت گھبرائے اور

گھر میں جا بہر دفع رسوائی
بیٹھ کر مشورت یہ ٹھہرائی
یاں سے غیرت مہ تاباں کو
جا کے چندے کہیں رہے پنہاں
سب محافے میں کر گئے اسکو سوار
ساتھ دی ایک دایۂ غدار

مسافر —— کیا اس پریم پجاری کو پریم دیوی کے جانے کی خبر نہیں ہوئی ؟

جوگن —— کوئی جھوٹا پریم تو تھا نہیں ۔۔ ۔۔ ۔۔

گھر سے باہر محافہ جب نکلا
اس جواں پاس ہو گئے تب نکلا
تپش دل سے ہو گئے تب آگاہ
ہو لیا ساتھ اس کے بھر کر آہ
رفتہ رفتہ سخن ہوئے نالے
اڑنے لاگے جگر کے پرکالے
دل کے غم کو زبان پر لایا
آفت تازہ جان پر لایا

مسافر — کیا ابھی اس پریمی کے لیے اور کچھ مصیبتیں باقی تھیں؟
ہاں تھیں اور شاید اس کے بعد اور کچھ نہ تھا۔۔۔ اس
غدار دایہ نے اسے پاس بلایا، اس کی ڈھارس بندھائی

پاس اسکو بلا تسلّی دی
وعدۂ وصل سے تشفی دی
دل کوئی رکھ نہ جی کو کاہش دے
چل کوئی دم کو دادِ خواہش دے
ترے آنے سے دل کشادہ ہوا
نشۂ دوستی زیادہ ہوا
بزم عشرت کریں گے باہم ساز
ہو جیو تو اپنے دوست کا دمساز

مسافر —— کیا وہ اس ظالم ناگن کے پھندے میں پھنس گیا۔
جوگن —— ہاں پھنس گیا۔ ۔۔ ۔۔ وہ بھولا پریمی اس کے

وعدوں کو سچ سمجھا اور پھر
کشتی ایک آن کر ہوئی موجود
ہو فلک سے جیسے ہلال نمود
گی کنارے پہ لاکے استادہ
تھا محافہ رکو سب آمادہ
اس سفینہ میں جلد جا پہنچا

یہ بھی واں سا تھ لگا پہنچا
بیچ دریا کے دایہ سے جا کر
کفش اس گل کی اس کو دکھلا کر
پھینکی پانی کی سطح پر ایک بار
اور بولی اُو جگر افگار
حیف، تیری نگار کی پاپوش
موج دریا سے ہووے ہم آغوش
غیرت عشق ہے تو لا اس کو
چھوڑ مت یوں برہنہ پا اس کو

مسافر — مار ڈالا۔

جوگن — سچ مچ مار ڈالا (روتے ہوئے) ....

سن کے یہ حرف دایۂ مکار
دل سے گیا اس کے شکیب و قرار
تھا سفینہ میں یا کہ دریا میں
موج زنجیر ہو گئی پا میں
کہتے ہیں ڈوبتے اچھلتے ہیں
ڈوبے ایسے کوئی نکلتے ہیں
عشق نے آہ کھو دیا اس کو
آخر آخر ڈبو دیا اس کو

مسافر —— کیا پریم دیوی اب بھی چُپ تھیں؟

جوگن —— ہاں چپ تھیں اور بالکل چپ! دوسروں کے ہاتھوں مجبور، عشق کے ہاتھوں رنجور مگر وہ سفینہ ساز عیارہ

یہ نہ سمجھی کہ عشق آفت ہے ——— فتنہ سازی میں ایک قیامت ہے،
وصل جیتے نہ ہو میسر اگر ——— لادے معشوق کو یہ تربت پر
قصہ کوتاہ بعد ایک ہفتہ ——— آئی وہ رشک ماہ خود رفتہ
کہنے لاگی کہ اے دایہ ——— ہوگیا غرق وہ فرد مایہ
مصلحت ہے کہ مجھ کو لے چل کر ——— ایک دو دم رہیں گے دریا پر
حد سے فزوں یہ بیقرار ہوئی ——— دایہ کشتی میں لے سوار ہوئی

مسافر —— کیا دایہ سکا بھی مطلب نہیں سمجھی، اس نے گانا شروع کیا

پیا ملن کو جانا ... ... (RECORD)

آواز —— (ریکارڈ کے بعد)

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے ——— جادو وہ جو سر پہ چڑھ کر بولے

جوگن —— حرف زن ہوئی کہ اے دایہ ——— یاں گرا تھا کہاں وہ کم مایہ
بیچ دریا کے جا کہا یہ حرف ——— یاں ہوا تھا وہ ماجرائے شگرف
سنتے ہی کہاں کر کر ——— گر پڑی قصد ترکِ جاں کر کر
کشمکش عشق آخر اس مہ کو ——— لے گئی کھینچے ہوئے تہ کو
جالداروں سے سب نے کام لیا ——— آخر ان کو اسیر دام کیا
نکلے باہر وہ دئے ہوئے نکلے ——— دونوں دست و بغل ہوئے نکلے

مسافر — پریم کہانی بڑی پردرد ہے مگر اس سے آپ کا کیا تعلق ہے جوگن صاحبہ!

جوگن — وہ دایہ میں ہی تھی، میں نے ہی اس پریم دیوی کو اپنا خون پلا کر پالا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ افسوس میری عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔ میں نے ان دونوں کی یاد میں دنیا ترک کر دی۔

مسافر — سچ ہے ذرا سی غلطی ہمیشہ رونا رلواتی ہے۔

جوگن — (روتی ہے اور گاتی ہے)

عشق میں کھو ہی جاؤ گے تو بات کی تہ بھی پاؤ گے
قدر ہی کچھ جانو گے دل کو جو کہیں لگاؤ گے
صبر کہاں بیتابی دل سے چین کہاں بیخوابی سے
سو سو بار گلی میں تکتے گھر سے باہر آؤ گے
شوق کمال کو پہنچا نہیں خط و کتابت حروف سخن
قاصد کے محتاج نہ ہو گے آپ ہی دوڑے جاؤ گے
جاہ گئے درویش ہوئے تو آب و خورش کی فکر نہیں
لوہو پیو گے اپنا ہر دم غم غصہ ہی کھاؤ گے
رہتے ہیں مبہوت الفت میں گم گشتہ کلفت میں
بھولے بھولے آپ ہی پھرو گے کس کو راہ بتاؤ گے

کرنی کا پھل

نشر گاہ لاسلکی سرکار عالی حیدرآباد دکن
سے نشر کیا گیا

افراد

۱ — گورکھ —— چاچی کا بیٹا۔ وشوا ناتھ کا چچا زاد بھائی۔

۲ — چاچی —— گورکھ کی ماں۔

۳ — وشوا ناتھ — گورکھ کا چچا زاد بھائی۔ یتیم بچہ۔

۴ — چاچا —— گورکھ کا باپ، وشوا ناتھ کا چاچا!

۵ — سکھی —— جھونپڑی کا رہنے والا ایک دیہاتی۔

۶ — ماں —— سکھی کی ماں۔

۷ — سیتل —— سکھی کا دوست اور ملازم

۸ — آواز —— سوادے بابا۔

(ایک لڑکے کے رونے کی آواز)

گورکھ ——— اوں اوں اوں ناتھ نے گرادیا۔

چاچی ——— (چلا کر) مر گئے مرنے والے جنکی فاتحہ نہ درود۔ تجھے میری چھاتی پر مونگ دلنے کے لیئے چھوڑ گئے۔

وشوا ناتھ ——— میرے ماں باپ کو برا نہ کہیئے چاچی۔ انھیں سرگباش ہوئے تو زمانہ ہو گیا ہے۔

چاچی ——— مرے ہوئے کو ذرا سی بات کہدی تو کیسا تنگا لگا۔ میرے چاند کو جو تو مارتا ہے۔

ناتھ ——— میں ان کو مارتا نہیں ہوں چاچی اتفاق تھا کہ ۔۔۔۔

چاچی ——— ہاں اتفاق تھا۔ اسی دن کے لیئے تو تجھے پالا تھا۔

ناتھ ——— میرے لیئے تو گورکھ بھیا سگے بھائی سے بڑھ کر ہیں چاچی

گورکھ ——— (رو کر) منھ سے سگا بھائی کہتے ہیں اور مجھے سوتیلا سمجھتے ہیں۔

چاچی ——— چپ رہو بیٹا ——— اے ہے لہو لہان ہو گیا میرا لعل میرا بچہ میرا پالا چپ رہ۔

ناتھ ——— چاچی کمرے کے باہر دیکھیئے کتنی بارش ہو رہی ہے۔

(ریکارڈ بادل کی گرج بارش تیز ہوا)

ناتھ ——— میں چھوٹے دالان سے بڑے دالان میں آرہا تھا گورکھ

بڑے دالان سے جا رہا ہے۔ اندھیرے میں ٹکر ہو گئی۔
اور وہ گر پڑے۔

گورکھ ——— (رو کر) کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ مجھے تم نے ہاتھ پکڑ کر دھکا دیا ہے۔

چاچی ——— ضرور دھکا دیا ہو گا۔ یہ بڑا کلنکی ہے اس کے باپ کا کھائے اور اس کو مارے۔

ناتھ ——— میں تو گورکھ بھیا سے پریم کرتا ہوں چاچی۔

چاچی ——— نکل یہاں سے موا بد زبان۔ میرا بچہ لہو لہان ہو گیا اور یہ باتیں ہی بنائے جاتا ہے۔

ناتھ ——— ایشور نہ کرے چاچی۔ کسی کے ماں باپ مریں اور وہ دوسروں کے ٹکڑے کھائے۔

چاچی ——— سپولیا ہے موا۔ سپولیا۔

ناتھ ——— مجھ سے کبھی دُکھا نہ ہو گی چاچی۔ میں ہمیشہ آپ کی سیوا کروں گا۔

چاچی ——— ایشور رکھے میرے گورکھ کو میری وہی سیوا کرے گا۔ پرائی اولاد سے کیا امید۔

گورکھ ——— (ہنس کر) تیس مار خاں ہیں۔

ناتھ ——— گورکھ بھیا تم تو ایسا نہ کہو۔

گورکھ ——— کہوں گا سو بار کہوں گا۔

چاچی —— پال کی کھال نکلے ہی جاتا ہے یہ ہماری سیوا کرے گا
گھر کو کوڑی بنا دیا۔

گورکھ —— یہی دن بھر کاغذ پھاڑتے ہیں ماتا جی!

ناتھ —— میں تو ہمیشہ کاغذ اٹھا اٹھا کر رکھتا ہوں، کاغذ تو تمھیں
پھاڑتے ہو گورکھ بھیا۔

چاچی —— (چلا کر) سارے عیب گورکھ میں ہیں۔ تم بڑے ٹھگ ہو جانے
دو اپنے چاچا کو گھر۔ کھڑے تجھے گھر سے نہ نکلوا دیا تو .....

ناتھ —— نہیں چاچی ایسا نہ کرنا ایک بار اور معاف کر دو۔ اب ایسا
نہ ہوگا۔

چاچی —— بھیک مانگے ٹکڑا نہ ملے گا۔ یہاں دونوں وقت پھلکے
کھاتے ہوئے موٹائی سوار ہو گئی۔ خود بھی کھائے اور موئی
اس گائے اور بچھڑے کو بھی کھلائے۔ یہ اور عذاب جان
ہو رہی ہے۔

ناتھ —— گائے میری ضرور ہے چاچی مگر گھر سارا اس کا دودھ پیتا ہے،

چاچی —— (سر پیٹ کر) مر جائے یہ کمبخت منحوس ہیں دودھ کا
طعنہ دیتا ہے اور خود جو دونوں وقت روٹی ٹھونستا ہے
وہ کچھ نہیں ہے۔

ناتھ —— اس کو طعن نہیں کہتے چاچی۔

چاچی —— گورکھ! ایشور کی سوگند جو تجھے اس گھر میں رہنے دوں۔

(دور سے کھنکھارنے کی آواز۔ پیروں کی آہٹ)

ناتھ ——— چاچا!

چاچا ——— کون ناتھ۔

ناتھ ——— (رو کر) پھر چاچی ناراض ہوگئیں چاچا۔

چاچی ——— اوفوہ۔ پہلے ہی سے ٹسوے بہانے لگے۔

ناتھ ——— مجھ سے قصور ہوگیا چاچا اب ایسا کبھی نہ ہوگا۔

چاچی ——— تجھے تو یہاں سے نکلے بغیر میں کھانا نہ کھاؤں گی آج موئے کا بنا تو دیکھو۔

چاچا ——— کیا ہوا ہے۔

چاچی ——— ہوتا کیا وہی گورکھ سے دشمنی آج اس کو دھکا دے دیا۔ سر کھل گیا۔ سیروں خون بہ گیا۔

چاچا ——— (آواز دیتا ہے) گورکھ گورکھ۔

گورکھ ——— جی پتا جی۔

چاچی ——— موا ایسا کھڑا ہے جب سے جس دن یہ مرجائے گا اس کے کلیجے میں ٹھنڈک پڑجائے گی۔

چاچا ——— کہاں چوٹ لگ گئی بیٹا یہ کہیں پک نہ جائے۔

گورکھ ——— بہت دکھ ہو رہا ہے پتا جی۔

چاچی ——— اوفوہ دو انچ کے قریب گھاؤ۔

ناتھ ——— گورکھ بھیا کے چوٹ ضرور زیادہ آگئی ہے مجھے معاف

کر دیجئے۔

چاچا ——— میں بکواس سننا نہیں چاہتا تمھاری خیریت اسی میں ہے کہ تم یہاں سے چپ چاپ نکل جاؤ۔

ناتھ ——— چاچا

چاچا ——— چپ بدذات پاجی۔

چاچی ——— کمبخت ہے۔ حبشی دیو بلا۔

ناتھ ——— چاچی آپ ہی چاچا سے کہہ کر معاف کرا دیجئے۔

ہاں نہیں پالوں گی اس آستین کے سانپ کو۔ نکل بدذات نامراد۔

چاچا ——— بکواس کئے جائے گا۔ جائے گا نہیں۔

چاچی ——— نکل یہاں سے۔ (دھکا دیتی ہے)

(زبردست ہوا کی سنسناہٹ بادلوں کی گرج بجلی کی چمک اور بارش)۔

ناتھ ——— آہ۔ پانی میں بھیگ گیا چاچا۔ (چلاکر) معاف کر دیجئے چاچی اب ایسا کبھی نہ ہوگا۔

گورکھ ——— (ہنستا ہے) (تالی بجاتا ہے) آہاہا کیسا پانی میں بھیگ رہا ہے۔

چاچی ——— نکالو اس موئے کی گائے اور بچھڑے کو۔ ہم بازار کا دودھ پی لیں گے۔

چاچا ——— ہانک دو باہر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(گائے کا ہانکنا اس کے اور بچھڑے کی گھنٹی کی آواز)

گورکھ ——— ماتا دروازہ بند کرلو نہیں تو ناتھ پھر آجائے گا۔

چاچی ——— آ کیسے جائے گا مردار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (دروازہ بند کرنے کی آواز)

چاچا ——— چلو آج گھر پاک ہوگیا۔ روز کا جھگڑا رہتا تھا نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

چاچی ——— اونوہ ۔کیسی زبردست بارش، یہ موسلا دھار پانی ۔

(بادلوں کی گرج ۔ بارش)

ناتھ ——— آہ ۔ اے ایشور۔ یہ موسلا دھار پانی ۔ یہ بجلی کی چمک، اندھیر گھپ ۔ کہاں جاؤں کس کو پکاروں ماں نہ باپ۔ سردی (دانتوں کے کٹکٹانے کی آواز) میرا ساتھی میری گائے اور بچھڑا ۔ اب ایشور کے سوا ۔ ۔ ۔ کون ہے چلو۔ یہ ہمارا دیش نکالا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

(چلنے کی آواز۔ غمگین لہجہ میں گنگناتا ہے)

ناتھ ———
فلک نے چھین لیا دور شادمانی کا
پڑے گا صبر میری غمزدہ جوانی کا
مٹی امیدیں ملیں خاک میں تمنائیں
کسی نے لوٹ لیا قافلہ جوانی کا

تمام عمر سمجھتے ہوئے تمام ہوئی
مگر سمجھ نہ سکا راز زندگانی کا

آواز ——— کون ہے بھائی۔ کون ہے۔ ارے بولو نا

ناتھ ——— میں ہوں۔ ناتھ۔

آواز ——— کون ناتھ۔ اس اندھیرے میں۔

ناتھ ——— ہاں میں مصیبت زدہ۔ بد قسمت

آواز ——— اس وقت اداس بارش میں آؤ۔ یہاں آؤ۔

ناتھ ——— آرہا ہوں بھائی ایشور تمھیں سکھی رکھے تم بڑے دیالو ہو۔

آواز ——— (نزدیک سے) آؤ بیٹھو بھائی۔

ناتھ ——— (افسوس کے لہجہ میں) ہاں بیٹھتا ہوں۔ (ٹھنڈی سانس)

آواز ——— بھائی یہاں محلوں کے سامان تو ہیں نہیں دھرتی پہ بیٹھو یہی یہاں کا فرش ہے۔

ناتھ ——— مجھے یہ محلوں سے بڑھ کر ہے ایسے محل کو میں کیا کروں۔ جس میں بغض حسد اور جلن کا پالن ہوتا ہو۔ جہاں ہر بات پر سیکڑوں صلواتیں سنائی جاتی ہوں۔ یہ جھونپڑی آزاد ان سب سے آزاد محبت اور ہمدردی سے بھری (سانس بھر کر) ان سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

آواز ——— مجھے تم بڑے دکھی معلوم ہوتے ہو۔ ناتھ۔

ناتھ ——— ایشور کا شکر ہے بھائی۔ یہ سمسار ہے اس میں سیکڑوں

آدمی مجھ سے بھی بدتر ہیں کچھ تم اپنی رام کہانی سناؤ۔

آواز ——— ٹھیک کہتے ہو بھائی۔ دنیا ایسی ہی جگہ ہے۔ ۔۔ میری باتیں کیا پوچھتے ہو۔ میں ایک فقیر ہوں۔ نہ دھن نہ دولت کوئی تمنا اور کوئی آرزو نہیں۔ ایک ماں ہے اس کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ مجھے سب سکھی کہتے ہیں

ناتھ ——— (روکر) تم خوش قسمت ہو بھائی۔

آواز ——— (تعجب سے) ہائیں۔ آنسو۔ رو رہے ہو ناتھ۔

ناتھ ——— یہ آنسو نہیں خون جگر ہے ماتا پتا کی یاد میں یہ ہر وقت بہتا رہتا ہے۔

آواز ——— ناتھ تمھارے کوئی اور بھی ہیں۔

ناتھ ——— ہاں ہے۔ ایشور۔

آواز ——— تو پھر اس جنگل میں کیا کروگے۔

ناتھ ——— اس گائے کی سیوا۔

آواز ——— کیا تم اس میں مجھے بھی شریک کروگے۔ تمھیں بڑا پن ہوگا۔

ناتھ ——— کیسی باتیں کرتے ہو تم میرے مہربان ہو۔ میں تمھاری ہر بات ماننے کے لئے تیار ہوں۔

آواز ——— مگر میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔

ناتھ ——— نہ ہو۔ اس گائے کی سیوا کرکے اس کا دودھ پئیں گے۔ بچھڑا بھی کافی بڑا ہے۔ دس بیس کو بک ہی جائے گا۔

آواز ـــــ ٹھیک ہے ۔۔ ۔۔ اس روپے کی دوسری گائے لے آئیں گے ۔

(گھوڑے کے ٹاپ کی آواز۔ دور سے نزدیک آتی ہوئی)

ناتھو ـــــ یہ آواز کیسی ؟

آواز ـــــ نہ معلوم کون مصیبت زدہ ہوگا جو اس وقت آیا ہے۔

(گھوڑے کی ٹاپ کی آواز نزدیک)

ناتھو ـــــ (باہر آکر) ارے بھائی تم کون ہو۔

سوار ـــــ میں تمھارا بھائی ہوں۔

ناتھو ـــــ بھائی اس وقت کیا ضرورت پیش آگئی جو اپنا چین اور سکھ چھوڑ کر یہاں آئے ہو۔

سوار ـــــ چین سکھ اور آرام چار مہینے ہوئے جانتے ہی نہیں۔ مجھے گائے کے دودھ کی سخت ضرورت ہے ۔ میرا بچہ بہت بیمار ہے۔

ناتھو ـــــ بچہ بہت بیمار ہے کیا اس وقت دودھ کی ضرورت ہے۔

سوار ـــــ ہاں ۔ اگر کوئی گائے مل جائے تو میں اس وقت اسکی قیمت دینے کو تیار ہوں۔

ناتھو ـــــ میرے پاس گائے تو ہے ۔ تقریباً دس سیر دودھ دیتی ہے۔

سوار ـــــ تو کیا تم اسے فروخت کردوگے۔

ناتھ —— فروخت تو کردوں گا مگر اس شرط پر کہ جب تمہارا کام نکل جائے تو اسے مجھے واپس کر دینا۔

سوار —— اچھا دام

ناتھ —— سو روپئے۔ دس روپیہ فی سیر کے عام دام۔

سوار —— کچھ کمی۔

ناتھ —— نہیں۔

سوار —— اچھا یہ لو دس دس کے نوٹ۔ ایک دو تین . . . . چار . . . .

ناتھ —— (آواز دیتا ہے) سکھی بٹیا

سکھی —— (جھونپڑی کے اندر سے) آیا بھائی۔

(قدموں کی آواز)

ناتھ —— یہ گائے سو روپیہ میں ان کے ہاتھ بیچ دی۔ ان کو ضرورت ہے

سکھی —— اچھا کیا۔ ضرورتمند معلوم ہوتے ہیں۔

سوار —— ضرورت۔ بہت بڑی ضرورت۔ بچے کی موت زندگی کا سوال ہے۔ ویدجی نے صاف کہہ دیا ہے کہ بچہ ہرگز نہیں بچ سکتا اگر اس کو گائے کا دودھ نہ ملا۔

(گائے ہنکاتا ہے۔ گھنٹی کی آواز۔ پیروں کی آہٹ)

ناتھ —— اسے ایشور کی مدد کہتے ہیں۔ آتے دیر نہیں ہن برسنے لگے۔

سکھی —— سنتے ہو ناتھ! یہ روپیہ برباد نہ کرنا۔ کل بازار ہے

سویرا ہوتے ہی میں گائے لینے چلا جاؤں گا۔

ناتھ ——— اچھی بات ہے۔ اُن کے دودھ کو بیچ کر جو دام ملیں گے انکی اور گائیں خریدیں گے۔ اس طرح گھی دودھ مکھن بیچ کر اس کاروبار کو بڑھائیں گے۔

سکھی ——— شہر تو نزدیک ہی ہے سب مال روز کا روز بک جائے گا۔

ناتھ ——— اے لو۔ یہ تو دن نکلتا آرہا ہے۔

سکھی ——— اچھا تو میں تیار ہو جاؤں۔ دن نکلتے نکلتے بازار پہنچ جاؤنگا تاکہ وہاں سے دو تین گائیں لیتا آؤں گا۔

(دور سے ایک گانے کی آواز۔ ریکارڈ

دنیا رنگ رنگیلی۔ سنائی دے)۔

ناتھ ——— یہ کون گا رہا ہے سکھی۔

سکھی ——— یہ پرم ناتھ ہیں۔ روزانہ صبح دودھ لینے شہر سے آس پاس کے گاؤں جاتے ہیں۔

(گانے کی آواز قریب آتی ہے) (دنیا رنگ رنگیلی)

سکھی ——— کہو پرم۔ کیا حال ہے تمھارے سسر کا۔

پرم ——— جب سے گائے کا دودھ ملنے لگا ہے بہت فائدہ مند ہے۔ مگر یار گھوسی پانی ملا دیتے ہیں۔

ناتھ ——— ہم لوگ دودھ کا کاروبار آج ہی سے شروع کر رہے سکھی گائیں لینے جا رہے ہیں۔

پرم ——— یہ تو بڑی اچھی خوشخبری سنائی۔ ایشور کریں کہ تم دونوں اپنے
ارادوں میں کامیاب ہوں۔

ناتھ ——— کل صبح سے دودھ ہم سے لینا بھائی۔

پرم ——— بہت اچھا کیا بھاؤ دوگے۔

ناتھ ——— چار آنے سیر۔

سکھی ——— بہت خوب۔ سوت نہ کپاس جلاہے سے لٹھم لٹھا گائے
تو ہے نہیں دودھ کے دام بھی طے ہو گئے۔

ناتھ ——— کاروبار ایسے ہی شروع ہوتا ہے۔ ابھی تم گائیں لے کر
آجاؤ گے آج ہی سے اُن کی سیوا شروع کر دیجائے گی۔

سکھی ——— اچھا سنو ناتھ۔ ماتاجی آتی ہونگی۔ رات کو وہ پاس
کے گاؤں میں اپنی منھ بولی بہن کے ہاں سوتی ہیں وہ
سویرے ہی آجاتی ہیں۔ اگر آئیں تو ان کو سب حال بتا دینا

ناتھ ——— اچھا تو پھر تم جاؤ۔ دیر نہ کرو۔

سکھی ——— اچھا جاتا ہوں (قدموں کی آواز)

ناتھ ——— ایشور کرے اچھی اچھی گائیں مل جائیں

پرم ——— تم کہاں کے رہنے والے ہو ناتھ۔

ناتھ ——— یہ رام کہانی نہ پوچھو۔ پرم اتنا کافی ہے کہ مصیبت زدہ
ہوں اور آوارہ وطن ہوں۔

پرم ——— تم بھی دکھی معلوم ہوتے ہو۔

ناتھ —— ہاں - ہاں ... دیکھو پرم وہ کون ہیں۔

پرم —— "ماتاجی سکھی لال کی ماں۔

ماں —— (آواز دیتی ہے) سکھی لال ارے سکھی۔

پرم —— میں آگیا ماتاجی۔ پرم ہوں میں۔ جے رام جی کی۔

ماں —— ارے یہ سکھی کہاں گیا ہے بیٹا۔

پرم —— پاس کے گاؤں میں گائیں خریدنے۔

ماں —— روپیہ کہاں سے آیا۔

پرم —— ناتھ نے دیا۔

ماں —— (تعجب سے) ناتھ۔ کون ناتھ۔

پرم —— ان کے یہاں ایک مسٹر آئے ہیں۔

ناتھ —— پاؤں لاگیں ماتاجی۔

ماں —— جیو خوش رہو۔ بیٹا تم کون ہو۔

ناتھ —— میں ایک بے بس مجبور۔

ماں —— تم بھی مصیبت زدہ ہو۔ دکھیا رے۔ کیا تمہارے ماں باپ نہیں ہیں۔

ناتھ —— اگر وہ زندہ ہوتے تو آج یہ درگت کیوں بنتی۔

ماں —— ٹھیک ہے - کیا بابا تو نہیں آئے تھے۔

ناتھ —— ابھی تک تو نہیں آئے۔

پرم —— اچھا میں تو اب جاتا ہوں ماتاجی۔

ماں ——— جاؤ بیٹا۔ خوش رہو۔ جیو۔ (قدموں کی آواز)

(دور سے سادھو گاتا ہوا آتا ہے)

بابا ——— "جب وقت پڑا تو کوئی نہیں"۔

ناتھو ——— ٹھیک ہے بابا۔

ماں ——— آ گئے باباجی۔ بیٹھئے۔

بابا ——— چلم پلا دو۔

ماں ——— اچھا میں لاتی ہوں۔

بابا ——— بیٹا تم کب آئے۔

ناتھو ——— کل۔ آپ بھی کچھ دکھی ہیں بابا۔

بابا ——— میں کیا سارا سنسار دکھی ہے۔

ناتھو ——— سچ ہے بابا۔

بابا ——— آدمی آدمی کا خون چوسنے لگتا رہا ہے۔

ناتھو ——— معلوم ہوتا ہے کسی نے آپ کو بہت دکھ پہنچایا مہاراج۔

بابا ——— بیٹا یہ سب اپنے کرم کا بھوگ ہے۔ دکھ اور آرام سب اپنی کرنی کا پھل ہے۔

ناتھو ——— میں آپ کی کیا سیوا کروں مہاراج۔

بابا ——— یہی کیا کم ہے کہ تمہارے دل میں ہمارا درد ہے۔ تم محبت سے بولے۔ تم نے ہماری درد بھری کہانی سننے کی کوشش کی۔

ناتھو ——— سب کچھ کیا مگر سننے کو کچھ نہیں ملا۔

بابا ——— دنیا جانتی ہے کہ ہمارے باپ لکھپتی تھے ان کی آنکھیں
بند ہوتے ہی چاچا اور چاچی نے دولت پر قبضہ کر لیا اور مجھے
نکال دیا۔

ناتھ ——— کیا سب کے چاچا چاچی ایسے ہی ہوتے ہیں بابا۔

بابا ——— ہوتے ہوں گے بیٹا مجھے دھن سے بڑھ کر ایک اور دولت
مل گئی ... ایشور ایشور۔

ناتھ ——— مہاراج کیا دکھ اور جیون کبھی الگ نہیں ہو سکتے۔

بابا ——— کچھ پھیر تو ایسا ہی ہے۔

ناتھ ——— کیا فقیر کی دعا میں اثر نہیں ہوتا۔

بابا ——— ہوتا ہے ... مگر۔

ناتھ ——— آپ کی سیوا کے لئے میرے پاس یہ دو پیسے ہیں مہاراج۔

بابا ——— تم بڑے دل والے ہو تم خود مفلس اور کنگال ہو تمہارے
یہ دو پیسے دو ہزار روپئے کے برابر ہیں ... جا۔
ایشور تجھے اتنی دولت دے گا کہ تیرے رکھے نہ رکھی
جائے گی۔ (چل دیتا ہے)

ناتھ ——— بابا بابا ... سنئے تو۔

بابا ——— (چلا جاتا ہے گاتے ہوئے)
جب وقت پڑا تو کوئی نہیں
جب وقت ... ...

ماں ——— ناتھ - جانے دو بابا کو بیٹیا تمہارا بڑا حوصلہ ہے - سکھی تمہاری صحبت میں آدمی بن جائے گا -

ناتھ ——— میں تو سب کا خادم ہوں ماتاجی -

ماں ——— ناتھ - تم ضرور کسی دن بڑے آدمی بن جاؤ گے -

(دور سے گھنٹوں کی آواز آتی ہے رفتہ رفتہ یہ آواز نزدیک ہوتی ہے)

ناتھ ——— یہ لو آگئے سکھی بھیا -

سکھی ——— جے رام جی کی ماتاجی!

ماں ——— جیو بیٹا کیا تم اس کام کو چلا لو گے بیٹا -

سکھی ——— ہاں ماتاجی ناتھ کی مدد سے آپ کی دعا سے اور ایشور کی کرپا سے -

ماں ——— مگر بیٹا یہ بڑی محنت کا کام ہے -

ناتھ ——— اس کی فکر نہ کیجئے ماتاجی -

سکھی ——— اوکھلی میں سر دیا ہے تو پھر موسلوں کا کیا ڈر -

ناتھ ——— مگر یہ سو روپیہ میں (۲۲) گائیں کیسی ملیں -

سکھی ——— میں نے دھیں بازار میں چار گائیں خرید کر (۲۰۰) کے منافع پہ بیچیں -

ناتھ ——— تم تو بڑے ہوشیار ہو بھائی -

سکھی ——— پھر اس روپیہ سے چار بھینسیں لیں اس پہ نفع

سو روپئے منافع لیا۔

ناتھو ——— تو اب کچھ قرض تو نہیں ہے۔

سکھی ——— نہیں۔ ایک پیسہ نہیں۔

ناتھو ——— اچھا تو سنو۔ کچھ تو دودھ بیچنا اور کچھ کا مکھن نکالنا۔

سکھی ——— ہاں ابھی ابتدا ہے ایسا ہی کرنا ہوگا۔

(خوش کن ساز)

سکھی ——— ناتھو۔ یہ مکھن راجندر بابو اور سکھدیو بابا کے یہاں پہنچانا ہے۔

ناتھو ——— اچھا میں سب جگہ مکھن اور دودھ پہنچائے دیتا ہوں۔
ذرا تم چارہ دانے کی فکر کرو۔

سکھی ——— اس سے بے فکر رہو۔ یہ سب میں کروں گا۔

ناتھو ——— مگر اب کام اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ہم دونوں سے سنبھل
نہیں سکتا!

سکھی ——— بھئی اپنا کام اپنے ہاتھوں خوب ہوتا ہے۔

ناتھو ——— اگر ایک آدمی مل جائے تو اور بڑھا لو۔

سکھی ——— آدمی تو میں کل ہی گاؤں سے بلوا بھیجوں گا مگر یہ یاد رکھو
کہ اس کے رکھنے سے نقصان ہوگا۔

ناتھو ——— بعد اکرسے ہم لوگ سخت مگرانی کریں گے۔ دیکھو ہمارے پاس
اب دو ہزار روپیہ ہوگیا ہے اس کی کچھ گائیں اور بھینسیں
اور بڑھا لو۔

سکھی —— ضرور۔

ناتھ —— اور مکھن نکالنے کی مشین بھی۔

سکھی —— کل کے اخبار میں اس کا اشتہار تھا۔ (۳۰۰) روپیہ کو مل رہی ہے فوراً منگوالو۔

ناتھ —— سکھی ایک بات کا خیال اور ضروری ہے۔

سکھی —— وہ کیا۔

ناتھ —— جن جانوروں کی بدولت ہم کو روپیہ حاصل ہوتا ہے ہمیں ان کی اچھی طرح سے رکھوالی کرنی چاہئے۔ ان کے کھانے پینے کے لئے عمدہ قسم کی گھاس چاہئے چارہ کاٹنے کی مشین بھی لگانا ضروری ہے۔

سکھی —— مگر اس کے لئے بجلی کی ضرورت ہوگی۔

ناتھ —— بجلی ہمارے دیہات سے ہو کر گذر رہی ہے۔ سرکار کو عرضی دے کر یہاں انتظام کریں گے۔ ٹین کا ایک سائبان ہونا چاہئے گرمیوں اور برسات میں ان کو یہاں رکھا جائے گا۔

سکھی —— ضرور کرو بھائی۔ یہ تو ہماری آمدنی بڑھانے والے ہیں اور انکی وجہ سے ہمارے جانوروں کی زندگی بڑھے گی۔

ناتھ —— صفائی کا انتظام اور بھی ضروری ہے۔ اب تک

ہمیں اس کا کوئی خیال نہ تھا۔ جانوروں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ گندگی رہنے کی وجہ سے وہ بیمار پڑنے لگیں۔

سکھی ——— کہتے تو ٹھیک ہو۔ صفائی کر کے اسے روزانہ فینائل سے دھلوا دیا کرو۔

ناتھ ——— ایک بات کی کسر اور باقی ہے۔

سکھی ——— وہ کیا؟

ناتھ ——— گوبر جو ہم لوگ پھینک دیا کرتے ہیں کھاد کے کام آسکتا ہے اس کے اوپلے بنائے جا سکتے ہیں اور ان کو بیچ کر آمدنی حاصل کی جا سکتی ہے

(سنیل کے آنے کی آواز)

سکھی ——— بالکل صحیح۔ دیکھو وہ سنیل آگیا۔

سنیل ——— جے رام جی کی۔

سکھی ——— خوش رہو سنیل اب تم ہمارے یہاں کام کرو۔ دس روپیہ مہینہ ملیں گے۔

سنیل ——— مجھے کیا انکار ہے۔ جو بڑے بھیا کا حکم۔

سکھی ——— دیکھو ایمانداری سے کام کرنا۔ یہ بڑا گھرانا ہے ذرا میں بدنامی آجائے گی۔

سنیل ——— میں بدنامی کا ساتھی نہیں ہوں۔

ناتھ —— اچھا تو پھر ابھی سے ایشور کا نام لے کر شروع کر دو۔

سکھی —— دیکھو پہلے ٹبوں کو اچھی طرح صاف کر لو۔ پھر صاف پانی ڈالو۔ تھوڑا تھوڑا بھوسہ چھوڑو اور اوپر سے کھلی اور دانا ملا دو۔

ستیل —— بہت اچھا (جاتا ہے)

ناتھ —— مگر سکھی یہ تو ٹھیک نہیں ہے کہ روز کے روز کھلی اور دانا آئے اور روز ختم ہو جائے سب اکٹھا آنا چاہئے۔

سکھی —— دیکھو آج ہی دو جھونپڑیوں کی تیاری کا حکم دے دو۔ شہر کے بنئے جو کھو سے طے کر لو کہ وہ ہمیں کھلی اور دانا اکٹھا دے دے گا۔ مہینے پر حساب دے دیا جائے گا۔ کوٹھڑیاں تیار ہوتے ہی ان میں بھوسہ خرید کر بھر لو۔

ناتھ —— بس اب ٹھیک ہوا۔

سکھی —— ایک بات میری بھی مان لو۔

ناتھ —— وہ کیا۔ ہمارے جتنے گاہک ہیں۔ ان سے ماہوار حساب دودھ مکھن اور گھی کا لینا چاہئے اور اخبار میں اپنا اشتہار ہونا چاہئے

ناتھ —— مجھے یہ دونوں منظور ہیں۔

سکھی —— اس کا نام کیا ہو گا۔

ناتھ —— سکھی ڈیری فارم۔

سکھی ——— اور مکھن کا نام۔ ناتھو بٹر ہوگا۔

ناتھو ——— تو اشتہار اور لیبل چھپوا لو آج ہی آرڈر دے دو اور مکھن کے ٹن بنوا لو۔

سکھی ——— بہت اچھا۔

ناتھو ——— ہمیں ایک بہت بڑے پیمانے پر کام چلانا ہے اور اس کی کامیابی میں اپنا تن من دھن سب کچھ لگا دینا ہے۔

(خوش کن ساز ۔۔۔۔۔۔) (ٹیلیفون کی گھنٹی)

ناتھو ——— ہلو سکھی ڈیری فارم سے بات کر رہا ہوں۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ناتھو بٹر چاہیے۔ کتنا ۔۔ ۔۔ ۔۔ ایک پونڈ کے ایک ہزار ٹن ۔۔ ۔۔ ۔۔ بہت اچھا۔ ابھی بھیجتا ہوں، شکریہ۔ (ٹیلیفون کی گھنٹی)

ناتھو ——— ہلو۔ سکھی ڈائری فارم۔ تین من شدھ گھی۔ بہت اچھا۔ ۔۔ ۔۔ آپ کے فرم کا نام؟۔ کپور اینڈ سنس۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ بہت اچھا۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ابھی ایک گھنٹے میں بھیجتا ہوں۔ ۔۔ ۔۔ شکریہ۔

(ٹیلیفون کی تیسری گھنٹی)

ناتھو ——— ہلو۔ سکھی ڈائری فارم سے۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ہاں بھائی گھی کتنی کھلی ملی۔ کتنا چنا اور بھوسہ ۔۔ ۔۔ ۔۔ تین سو من چنا۔ ۔۔ ۔۔ ۲۵ من کھلی۔ اور سات گاڑی بھوسہ

۔۔۔۔ اور کوشش کیجئے ۔۔۔ زیادہ مل جائے تو اچھا ہے یہ تو کم ہے ۔۔۔ تو تو بھائی سیتل

سیتل —— بھیا۔ فارم کے آگے ایک بڑھیا بھوکی پیاسی بے ہوش ہوکر گر گئی ہے آپ پاس پہنچا دوں۔ دکھیا معلوم ہوتی ہے۔

ناتھ —— فوراً لے آؤ۔ ہم اس کی سیوا کریں گے۔

(پیروں کی آہٹ)

سیتل —— لیجئے بھیا۔ یہ بے ہوش ہے ابھی تک۔

ناتھ —— منہ پر پانی چھڑکو۔ ہوش آجائے گا۔

سیتل —— اچھا (پانی چھڑکتا ہے)

ناتھ —— ہوش تو آگیا ۔۔ ماتاجی کیا آپ بھوکی ہیں۔

چاچی —— تین روز سے۔

ناتھ —— اوہ۔ دنیا میں ایسے بھی غریب لوگ ہیں سیتل جاؤ، کھانے کا انتظام کرو۔

سیتل —— اچھیا۔ (جاتا ہے)

چاچی —— ہاں اب میں غریب ہوں۔ مگر اس سے پہلے نہیں تھی۔

ناتھ —— تمھاری کہانی بڑی درد بھری معلوم ہوتی ہے۔ مجھے بھی سناؤ۔

چاچی —— میرا قصہ بڑا دردناک ہے۔ میں اپنے پتی کے گھر میں رانی بنی بیٹھی تھی۔ میرے ایک بیٹا گوردھا تھا۔ وہ بہت

نالایق نکلا۔ میرے پتی موٹر سے ٹکرا کر مر گئے۔ گورکھ شرابی
اور جواری نکلا۔ اس نے تمام دھن جوئے اور شراب میں
اڑا دیا۔ مکان مہاجن کے ہاتھوں بیچ دیا۔ میرا زیور بھی جوے
میں ہار گیا۔ اور۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (سسکیاں)

ناتھ —— آپ رو رہی ہیں ماتا جی!

چاچی —— روتی ہوں اپنی پھوٹی قسمت پر۔ یہ مجھے اپنے بھتیجے ناتھ
پر ظلم کرنے کی سزا ملی ہے۔

ناتھ —— کیا کوئی ناتھ بھی تھا آپ کے یہاں۔

چاچی —— ہاں وہ یتیم تھا وہ اور گورکھ دونوں لڑتے تھے ایک روز
گورکھ کے چوٹ لگ گئی اس پر میں نے اندھیری رات
موسلا دھار پانی برستے میں اسے گھر سے نکلوا دیا۔ نہ
معلوم اس کا کیا حشر ہوا آج اگر وہ ہوتا تو کم سے کم مجھے
ایک ٹکڑا تو دے دیتا۔ مجھے دوسروں کے آگے ہاتھ
تو نہ پھیلانا پڑتا۔

ناتھ —— کیا ناتھ نے آپ کی کبھی سیوا نہیں کی تھی۔

چاچی —— ناتھ اکثر رات کو میرے پیر دباتا تھا۔ مجھے اس سے ہر قسم کا
آرام تھا۔ بیٹا تم رئیس ہو اگر تم کو کسی کھانے پکانے والی
کی ضرورت ہو تو مجھے نوکر رکھ لو۔

ناتھ —— مجھے تو کھانا پکانے والی کی ضرورت نہیں ہے مگر ہاں

ایک سرپرست ماں کی ضرورت ہے ۔ اس حیثیت سے
آپ میرے گھر میں رہئے۔

چاچی ـــــ ارے بیٹا ۔ کہاں میں اور کہاں تم ۔

ناتھ ـــــ کیا آپ اب بھی ناتھ کو پہچان سکتی ہیں ۔

چاچی ـــــ ہاں ہاں ۔

ناتھ ـــــ پھر پہچانتے دیر کیا ہے چاچی !

چاچی ـــــ آہ ناتھ ۔ میرا قصور معاف کردو ۔

ناتھ ـــــ چاچی ۔ ایسا نہ کہئے ایشور معاف کرنے والا ہے آپ کرپا
کرکے میرے پاس رہئے ۔

چاچی ـــــ ناتھ ۔

ناتھ ـــــ میں اب کوئی عذر نہیں سنوں گا آپ کو یہاں رہنا ہی ہوگا میں
آپ کی سیوا کروں گا ۔

چاچی ـــــ میں نے تم کو ذلیل کرنے کی کوشش کی تھی ۔ ایشور نے مجھے
ذلیل کردیا ۔ اب مجھے اور زیادہ ذلیل نہ کرو ۔

ناتھ ـــــ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ آپ جائیں ۔ آپ کو رہنا ہوگا میری
ماں بن کر ۔

عورت ـــــ مجبوری .. .. ۔ اور تمہاری خوشی ۔

چور بازار

افراد

کلیم ------ سرلیش کا دوست اور خریدار

سرلیش ------ کلیم کا دوست ۔

دوکاندار ------ چور بازار میں غیر معمولی منافع پر چیزیں بیچنے والا ۔

(کلیم گھبرایا ہوا داخل ہوتا ہے اور کہتا ہے)

کلیم — میں آج بازار گیا تھا۔ سرشش! دوکاندار نے وہی اپنی چور بازار والی چالیں چلیں مگر تم نے جو ترکیب بتائی تھی وہی میں نے بھی چلی! ایک پیسہ بھی زیادہ نہیں دیا۔ میں نے اس ظالم کو۔

سرتیش — یہ کام کیا ہے دوست تم نے! اس طرح تم نے صرف اپنی ہی مدد نہیں کی بلکہ کل ملک کی مدد کی!

کلیم — یہ کس طرح؟

سرتیش — اگر تم زیادہ دام دے کر چیزیں خرید لائے تو دوکاندار کی ہمت اور وں سے بھی لینے کی پڑتی۔ اب اس کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ پبلک کو ان کی سب چالیں معلوم ہو چکی ہیں۔

کلیم — نہیں جب سول سپلائز کا نام لیا تو اسکی روح گھبرا اٹھی!

سرتیش — پہلے تو وہ تم کو لڑکا سمجھا ہو گا۔

کلیم — ہاں! اس نے وہی چوگنے دام مانگے۔

سرتیش — چیزوں کی کمی ضرور ہے کلیم! مگر اس قدر نہیں کہ مل ہی نہ سکیں۔ یہ انہی بدمعاشوں نے ذخیرہ بازی کر کے زیادہ منافع حاصل کرنے کی غرض سے چیزوں کی کمی پیدا کر دی ہے۔

کلیم ——— کچھ تو تنگی ضروریات کی وجہ سے بھی کمی ہو گئی ہے کیونکہ
تمام تر قوتیں فوجی ضروریات کے مطابق سامان پیدا
کرنے میں مصروف ہیں۔

سریش ——— اچھا سناؤ تو گفتگو کیا ہوئی۔

کلیم ——— لو خود ہی سن لو۔

دوکاندار ——— بابو جی آپ سے کہہ تو دیا کہ میرے پاس نہیں ہے۔
کسی اور کے یہاں سے لے لیجئے۔

بابو جی ——— دے دیجئے صاحب! میرا بہت نقصان ہو گا!

دوکاندار ——— آپ نے جتنی چیزیں مانگی ہیں ان میں صرف سلیٹ
پنسل ہے۔

بابو جی ——— ذرا ڈھونڈھ لیجئے! کہیں ایک ایک دو دو تو نکل
آئیں گی۔

دوکاندار ——— بڑے ضدی آدمی ہیں آپ!

بابو جی ——— ضدی نہیں ہوں بہت ضرورت کی چیزیں ہیں اس
لئے خوشامد کر رہا ہوں۔

دوکاندار ——— کیوں کیجئے خوشامد؟

بابو جی ——— آپ تو اپنے ہی بھائیوں کو دکھ دیتے ہیں۔

دوکاندار ——— دکھ کا سوال نہیں ہے۔ اپنے پیٹ کا سوال ہے۔

بابو جی ——— میں دام تو دینے کو تیار ہوں۔

دوکاندار ——— دام دوگے!

بابو جی ——— ہاں ہاں! دوں گا!

دوکاندار ——— پنسل۔ سلیٹ پنسل۔ نبیں۔ سوان انک۔
۳ ۲ ۴ ایک شیشی

واٹر سی فاؤنٹین پن۔ دبن۔
ایک ایک

بابو جی ——— کل دام؟

دوکاندار ——— ۲۳ روپیہ۔ ۲ آنہ

بابو جی ——— (تعجب سے) یہ کیسے؟

دوکاندار ——— تین پنسل سوا دو روپیہ۔ سلیٹ پنسل ۲ چھ آنہ۔
نبیں چار، آٹھ آنہ۔ سوان انک سوا دو روپیہ۔
واٹر سی فاؤنٹن پن۔ ستر٭ روپیہ بارہ آنہ۔ دبن
ایک پانچ روپیہ دو آنہ۔

بابو جی ——— کیا یہ چور بازار کے دام ہیں؟

دوکاندار ——— اجی پچھلے سال سے آدھے دام ہیں! لینا ہو تو لو
نہیں تو اپنا راستہ ناپو!

بابو جی ——— میرے پاس تو کل ۱۳ روپیہ ہیں۔

دوکاندار ——— گھر سے جیب میں دام ڈال کر آئے ہوتے۔

بابو جی ——— بھائی کنٹرول کے دام لے لو!

دوکاندار —— جہاں ملیں وہاں لے لو! ایک نب تو ملے گا نہیں۔
بابو جی۔ —— مگر ان داموں پر تو میں نہیں لے سکتا!
دوکاندار —— یہاں تو ایسے گاہک آتے ہیں جو ایک ایک نب کا ایک ایک روپیہ دینے کو تیار ہیں!
بابو جی —— ہاں ہاں آتے ہوں گے؟
دوکاندار —— جاؤ! شہر بھر کی خاک چھانو! ایک چیز تو ملے گی نہیں!
بابو جی —— ایسا ہے تو لاؤ دیدو! کہاں ڈھونڈھتا پھروں گا۔
دوکاندار —— لیجئے (زور سے چیزوں کے رکھنے کی آواز)۔ بابو جی۔ (آہستہ سے) آجکل جو مال جس داموں مل جائے لیا کرو!
بابو جی —— (چیزوں کو اٹھاتے ہوئے) اچھا ایسا ہی کروں گا۔
دوکاندار —— لاؤ ۲۴ روپیہ ۲ آنہ نکالو!
بابو جی —— اب مال میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم کو لینا ہے تو ان کے کنٹرول کے دام لے لو!
دوکاندار —— نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ لوٹا دو ہمارا مال!
بابو جی —— آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یہ سب مال "کنزیومرس گڈس" (Consumer's Goods) میں شامل ہے
دوکاندار —— ہوگا مگر ہم تو یہی دام لیں گے۔
بابو جی —— یہ تمام چیزیں اور اسٹیشنری کا دوسرا سامان کنٹرول آف

(Control of Distri — ڈسٹری بیوشن آرڈر
lution order) — میں شامل ہیں۔

دوکاندار —— ہوں گی۔ ہمیں دنیا بھر سے مطلب نہیں۔ ۲۳ روپیہ ڈو آنہ دو!

بابوجی —— محکمہ انڈسٹریز اینڈ سول سپلائز نے نفع خوری کو جرم قرار دیا ہے۔ قانون کے مطابق تمہارے بہی کھاتے اور تمام چیزوں کی جانچ پڑتال سکتی ہے۔

دوکاندار —— قانون تو ہے مگر کیا ہمارے ہی لئے ہے، اور لوگ جو چوربازار میں چیزیں بیچ رہے ہیں۔

بابوجی —— جو پکڑا جائے گا اس پر پندرہ ہزار روپیہ تک جرمانہ کیا جا سکتا ہے اور قید کی سخت سے سخت سزا دی جا سکتی ہے۔

دوکاندار —— ہمارے یہاں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہمارے لگے ہوئے گاہک ہیں جو چوگنے داموں میں ہر چیز لے لیتے ہیں۔

بابوجی —— ہونگے! مگر بیچنے اور خریدنے والا، دونوں مجرم ہوتے ہیں

دوکاندار —— اچھا بھائی یہ باتیں تو ہو گئیں! دام تو دیدو۔

بابوجی —— کنٹرول کے دام تم کو لینا ہیں یا نہیں۔

دوکاندار —— ہمارا مال بھیا جی! واپس کردو۔

بابوجی —— میں نے کچی گولیاں نہیں کھائی ہیں۔ میں سول سپلائز انیسر کو ابھی ٹیلیفون کرتا ہوں۔ تمہیں "چوربازار" میں بیچنے اور نفع کھانے کا

مزا معلوم ہو جائے گا۔

دوکاندار —— بڑے جھنجھٹی آدمی ہو! بونی کے وقت تو تکرار مچائی ہے۔

بابو جی —— ابھی کراچی میں ایک دوکاندار کو پندرہ ہزار روپیہ جرمانہ اور چھ مہینہ قید کی سزا ملی ہے! میں ابھی انسپکٹر کو بلا کر تمہارا چالان لکھواتا ہوں۔

دوکاندار —— اچھا لاؤ جو دینا ہو!

بابو جی —— یہ لو! ایک۔ دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات۔

دوکاندار —— بس!

بابو جی —— بس رسید لاؤ!

دوکاندار —— رسید۔ اچھا لو (لکھنے کی آواز)۔

بابو جی —— (جاتا ہے) تم لوگ اسی طرح سیدھے ہو گے! ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اس طرح چور بازار کو ختم کرے۔

سرتیش —— مگر تم نے بھی بڑی ہمت سے کام لیا۔

بابو جی —— اگر میں ذرا بھی دب جاتا تو وہ ضرور مجھ سے چور بازار کے دام وصول کر لیتا۔

کلیم —— یہ تو کوشش پر ہے۔ انسان چاہے تو اصلی داموں میں چیزیں حاصل کر سکتا ہے۔ اگر وہ زیادہ دام مانگے تو چیزیں نہ خریدیں۔ خود بخود اور خوشامد کر کے چیزیں دیں گے۔

سرتیش —— مجھے بھی چند چیزوں کی ضرورت ہے۔ کل میں بھی جا کر لاؤں گا۔

کلیم —— ضرور لانا۔ اچھا اجازت دو۔

سرتیش —— ضرور ... کل میرے ساتھ چلنا۔

کلیم —— (جاتے ہوئے) ضرور چلوں گا۔

فیچر — ریل کا سفر —

خالہ رجو

۲۱ نومبر سنہ ۴۴ء کو آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ سے نشر ہوا

افراد

شمیمہ
نسیمہ
اکبری
فاطمہ
} شوخ چنچل اور نوجوان مگر ہم عمر حسین لڑکیاں

خالہ رجّو — پرانی وضع اور پرانے خیالات کی حامل بڑی بوڑھی

آوازیں — ریل کی مسافر عورتیں اور مرد

(گراما فون ریکارڈ بج رہا ہے۔ ہنسنے اور قہقہے لگانے کی آوازیں آرہی ہیں۔ ریکارڈ کے ختم ہوتے ہی)

شمیمہ ——— کتنا اچھا اور عمدہ گانا تھا۔

نسیمہ ——— ریکارڈ تو واقعی نئی وضع کا تھا۔ ایسے ریکارڈ کم آتے ہیں۔

اکبری ——— مجھے تو بہت پسند نہیں آیا۔ ایسی اس میں کیا خاص بات ہے۔

فاطمہ ——— آپ نے بھی شعر خوب فرمایا۔ ریکارڈ سے زیادہ مزیدار آپ کا یہ شعر ہے:۔

نسیمہ ——— کون سا شعر؟

فاطمہ ——— ابھی سنا نہیں۔ آپ فرما رہی تھیں "مجھے تو بہت پسند نہیں آیا" گویا آیا مگر بہت نہیں، تھوڑا، یہ شعر نہیں تو اور کیا ہے۔ شاعری تو اسی کا نام ہے۔

اکبری ——— کیوں بولائی جا رہی ہو فاطمہ! شادی کے بعد بنانا بھی آگیا۔

فاطمہ ——— آپا اکبری! آپ نے تو ان کہی کہدی! ایسی بات نہ کہا کرو۔ مجھے تو شرم معلوم ہونے لگتی ہے۔

اکبری ——— اوہو ری بے باکی! کیسی بے شرم ہوگئی ہے۔

(رجوتوں کی آہٹ ۔۔ ۔۔ سب کا
باری باری سے چلانا)

شمیمہ ——— (آہستہ سے) اخاہ! نانی عشو!

نسیمہ ——— اہا! میری گُندابی!

اکبری ——— ارے میری طوطلی!

فاطمہ ——— خالہ جیندو۔

سب ——— کہیے خالہ رجو کب آئیں۔

رجو خالہ ——— جیؤ جیؤ ۔۔ ۔۔ بیٹیو! مجھے آئے ہوئے ابھی ایک ہفتہ ہوا۔

سب ——— ابھی صرف ایک ہفتہ ہوا؟

فاطمہ ——— آئے ہوئے تو ایک ہفتہ ہوا۔ اور عمر کتنی ہے آپ کی

رجو خالہ ——— کل باسٹھ برس! ایک ہفتہ ہوا مجھے کلکتہ سے آئے ہوئے۔

فاطمہ ——— تو آپ سکنڈ کلاس میں آئی ہوں گی!

رجو ——— ارے بیٹا! کیوں بناتی ہے؟ میں تو تیسرے درجہ میں سفر کرتی ہوں۔

نسیمہ ——— تب تو بڑے آرام سے آئی ہوں گی۔

رجو ——— اب تو سفر نہیں رہا "سقر" ہوگیا بیٹی!

فاطمہ ——— یہ "سقر" کوئی نئے قسم کا سفر ہے کیا؟

رجو ـــــــ کیسی بیوقوف ہے تو؟ سقر کہتے ہیں دوزخ کو۔

سب ـــــــ (ہنستی ہیں) لو بھلی ریل کا سفر دوزخ ہوگیا۔

رجو ـــــــ تم تو ابھی ہو لڑکیاں! تمھیں آجکل کے سفر کی حالت کیا معلوم؟ اللہ نہ کرے کوئی سفر کرنے پر مجبور ہو؟

فاطمہ ـــــــ ایسی کیا بات ہے خالہ؟

رجو ـــــــ بس بیٹی کچھ نہ پوچھو! مسافروں کی وہ درگت بنتی ہے کہ بس توبہ ہی بھلی۔ میری تو یہ رائے ہے کہ آجکل عورتوں کو سفر کرنا بند کر دینا چاہئے۔

نسیمہ ـــــــ ہاں خالہ۔ مردوں کی طرفداری تو کروگی ہی! عورتوں نے کیا قصور کیا ہے جو وہ سفر بند کر دیں۔

رجو ـــــــ قصور تو کچھ بھی نہیں۔ مگر تم جانتی ہو کہ عورتیں نازک اور کمزور ہوتی ہیں۔ سفر میں بھیڑ کی وجہ سے بہت جلد پریشان ہوجاتی ہیں۔

اکبری ـــــــ خالہ یہ تو مردوں کی باتیں ہیں۔ان کا تو جی چاہتا ہی نہیں کہ عورتیں گھر سے باہر نکلیں

خالہ رجو ـــــــ ممکن ہے مردوئے اس خیال کے ہوں مگر میں تو عورت ہوں!

فاطمہ ـــــــ خالہ برا نہ ماننا! عورتیں بھی بوڑھی ہوکر مردوں کی طرح تنگ نظر ہوجاتی ہیں۔

خالہ ـــــــ ارے بیٹی! میں جو کچھ کہہ رہی ہوں اپنے تجربہ کی

بنا پر۔ آجکل واقعی سفر میں بڑی دشواریاں ہیں جب
میں کلکتہ سے چلی ہوں تو عورتوں پر عورتیں تھیں مگر
جب گاڑی بنارس پہنچی تو۔

(گاڑی کا آنا اور ٹھیرنا۔ شور وغلُ۔ پان بیڑی
سگریٹ اور پوری کچوری بیچنے والوں کی صدائیں)

ایک آواز —— اری کہاں گھسی آرہی ہے مردی!
دوسری آواز —— ریل میں اور کہاں؟ ہم بھی سفر کریں گے؟
تیسری —— کہیں جگہ بھی ہے؟ سانس لینے کی تو جگہ نہیں ہے۔
چوتھی —— تل دھرنے کی بھی جگہ ہے کہیں؟
دوسری —— جگہ ہو چاہے نہ ہو مگر میں ضرور جاؤنگی۔

(باہر سے آواز —— بنارسی پان۔ شاہی گلوری ...)

پانچویں —— کہاں جائے گی؟ جہنم کو؟ دوسرے ڈبہ میں کیوں نہیں جاتی؟
دوسری —— جہنم میں جائے میری جوتی اور مجھے منع کرنے والی! میں تو ریل میں بیٹھ کر جاؤنگی۔
چھٹی —— ہے کیسی سڑن!
دوسری —— سڑن تو اور تیرے سگے!

کئی آوازیں ایک ساتھ } (۱) سچ مچ کوئی چڑیل ہے
(۲) بڑی دیدہ پھٹی ہے

(۳) ایسی دند ناتی آئیں گویا ان کے باوا نے ریل جہیز میں دی ہے۔

دوسری —— اپنے آپ بیٹھ گئیں تو دوسروں کو بیٹھنے ہی نہ دینگی۔ اٹھاؤ یہ بچہ کس کا ہے۔

ساتویں —— اے۔ بچہ کو سونے دے! اگر اس کو چھوا تو ایسا دو ہتڑ دونگی کہ یاد کرے گی۔

دوسری —— چپ رہتی ہے یا نہیں اب!

ساتویں —— بیہودہ، بد زبان۔

(منہ پر تھپڑ مارتی ہے چٹاخ کی آواز۔ مار پیٹ)

آوازیں —— (۱) تازہ پوری۔

(۲) ناگپور کے سنترے۔

(۳) ہندو پانی۔

اکبری —— خالہ رحمو! بھئی خوب تراشتی ہیں۔ ذرا سی دیر میں ریل کا منظر لا کھڑا کیا۔

خالہ —— مجھے جھوٹ بولنے میں کیا ملے گا؟

فاطمہ —— تو خالہ اللہ رکھیا ہوا؟

خالہ —— بس اسی طرح کی دشواریاں ہیں۔ ایک دلہن بھی نگوڑی ایسی خوبصورت! اسقدر شکیل کہ کیا بتاؤں؟ نہ معلوم کہاں جا رہی تھی فیض آباد پر اس کو غش آ گیا۔

فاطمہ ——— نہیں خالہ۔ اس نے آنکھیں یونہیں بند کر لی ہونگی۔

خالہ رجو ——— تیس سر کی قسم بیٹا! مجھے جھوٹ بولنے سے کیا ملے گا۔

ہوا یہ تھا:-

ایک آواز —— ارے مر گئی! مار ڈالا۔ یہ بستر کس نے پھینک دیا۔

دوسری آواز — تم کو دکھتا نہیں سیٹھ جی! کھڑکی سے بھی کہیں سامان رکھا جاتا ہے۔

تیسری آواز — ان مردوں کو تو کچھ دکھتا ہی نہیں۔

مردانہ آواز — غلطی ہوئی جی! میری زنانی سواری کو بٹھا لو۔

چوتھی آواز —— بڑے بھولے ہیں نا! یہاں جگہ نہیں ہے۔

مردانی آواز —— ہم نے بھی کرایہ دیا ہے۔

کئی عورتیں ایک ساتھ

(۱) کرایہ دیا ہے تو ریلوے کو دیا ہوگا کوئی ہم کو دے دیا۔

(۲) جاؤ! اگاڑ بابو سے جگہ مانگو۔

(۳) لیو اپنا بستر لے جاؤ اسکو مردانہ درجہ میں۔

(بستر باہر گرنے کی آواز)

دوسری —— ارے بیہوش ہو گئی!

تیسری —— بیہوش! اب کیا ہو؟

چوتھی —— پنکھا جھلو پنکھا۔

پانچویں —— پنکھا جھلنے کی بھی تو جگہ نہیں ہے!

دوسری —— گرمی بھی تو بلا کی ہے!

تیسری ـــــ بیس عورتوں کی جگہ میں ساٹھ ستر عورتیں بھری ہیں۔

چوتھی ـــــ جبھی تو بیہوشش ہو گئی!

پانچویں ـــــ ارے ذرا کوئی پانی تو مانگ لو!

دوسری ـــــ کدھر سے لاؤں! باہر نکلنے کی جگہ ہی نہیں ہے، دروازہ کھل نہیں سکتا۔

تیسری ـــــ اے بہن ذرا پانی ہو تو دے۔ دنیا! چھینٹا دیں گے۔

چوتھی ـــــ لو! بہن! مگر ذرا سا ہی ہے"

نسیمہ ـــــ سنا تو میں نے بھی ہے کہ ریل کا سفر اب بہت خراب ہو گیا ہے!

خالہ رجو ـــــ اے بیٹی کوئی ایسا ویسا! جو کچھ نہ ہو جائے کم ہے۔ ایک عورت ہمارے ساتھ سفر کر رہی تھی کہنے لگی۔

ایک عورت ـــ بہن! ذرا میرا بھورا صندوق ادھر اٹھا دو۔

دوسری ـــ کون سا بھورا صندوق! یہاں تو کوئی بھورا صندوق نہیں ہے

پہلی ـــــ ہے ہے کیسے نہیں؟

دوسری ـــ تو پھر دیکھ لو نا! کسی نے اس کو نوار تو بنا نہیں لیا۔

پہلی ـــــ ہائے! یہاں تو نہیں ہے! یہ ہو گیا گیا۔

دوسری ـــــ پچاسوں مسافر آتے جاتے ہیں۔ کئی عورتیں سامان لیکر اتریں۔ کسی کے سامان میں مل کر چلا گیا ہو گا۔

پہلی ـــــ اب کیا ہو گا؟ (سسکیاں لے کر) میرا سارا زیور

ساری عمر کی کمائی اسی میں تھی۔ وہ تو میرا چونڈا مونڈ ڈالیں گے۔

کئی آوازیں ایک ساتھ ـــ
(۱) ہائے ہائے، بڑا نقصان ہوگیا بیچاری کا۔
(۲) بے موت مرگئی۔
(۳) کیسی مصیبت میں پھنس گئی دکھیا۔

تیسری ـــــ اپنا اپنا سامان دیکھتی رہنا بہن!

پہلی ـــــ سامان کی رکھوالی عورتوں کا کام نہیں۔

تیسری ـــــ مگر مرد تو چاہتے ہیں کہ سارا سامان زنانے درجوں میں رکھ دیں اور وہ مزے سے بیٹھ کر خوش گپیاں کریں۔

چوتھی ـــــ اول، تو عورتوں کو گھروں سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ اگر کہیں سفر بھی نکل گئیں تو سامان کی رکھوالی کسی سے بات بھی نہیں کر سکتیں۔

(رونے اور سسکیاں لینے کی آواز)

فاطمہ ـــــ تو خالہ رجو! اگر عورتیں سفر کرنا کم کردیں تو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔

نسیمہ ـــــ یہی کہ مردوں کو اور آزادی ہو جائے گی۔ اکیلے سفر میں جایا کریں گے۔ جب عورتیں ان کے ساتھ سفر میں ہوتی ہیں تو ان پر تھوڑی سی پابندی ہوتی ہے۔

اور وہ بالکل آزاد نہیں ہونے پاتے۔

خالہ رجو — لڑکیو! تم تو بالکل دیوانی ہو رہی ہو! اری مردوں کے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑی ہو۔

اکبری — خالہ مطلب یہ ہے کہ اگر عورتیں سفر کرنا کم کر دیں گی تو پھر مرد انہیں گھروں میں بند کر دیں گے۔

خالہ رجو — (زور سے) کیا مجال مردوں کی؟ عورتوں میں قرینہ ہونا چاہیے ان سے تو جوتی تک اٹھوائی جا سکتی ہے۔

فاطمہ — خیال تو ٹھیک ہے آپ کا۔ ان سے کام تو یہی لینا چاہئے مگر حق شوہری کی وجہ سے وہ عورتوں پر سبقت لے جاتے ہیں۔

خالہ رجو — ہم بھی کبھی بیاہے تھے' اپنی بات رکھنے سے بات رہتی ہے ہمیں نے وہ طریقہ اختیار کیا کہ تمہارے خالو کو یہ کہتے بنی کہ "ڈولی کے سنگ چلونگا' پاپوش لیکر چلونگا" ... اب بھی ان کا ویسا ہی برتاؤ ہے۔ اگر تم لوگ ڈھیل ڈالدو گی تو مرد وے نخرے خود سر ہو جائینگے۔ مگر سفر کے معاملہ میں تو ان کا عورتوں سے بھی زیادہ برا حال ہے۔ مردانے درجوں میں تو کھڑے ہونے تک کی جگہ نہیں ہوتی۔ ان کو خود دشواریاں ہوتی ہیں۔ اکثر لوگوں کی جیبوں سے روپیہ غائب ہو جاتا ہے۔ کبھی سامان چوری چلا جاتا ہے۔ کبھی ڈبہ میں گھسنے کی جگہ نہیں ملتی' لوگ دروازوں پر لٹک جاتے ہیں' اس سے حادثے ہو جاتے ہیں۔ مردوں کو خود سفر میں بڑی

دشواریاں ہیں۔

شمیمہ — خالہ تو مردوں کی وکیل بنکر آئی ہیں۔ خالہ۔ مردوں کی ذات۔ بڑی بذات! کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھائے باز نہ آئے گی۔ وہ سفر ضرور کریں گے۔

خالہ — نہیں بیٹا! وہ پہلے والے دن اب نہیں رہے کہ آسانی سے ٹکٹ لے لیا اور ریل میں بیٹھ گئے اور جہاں جانا ہوا پہنچ گئے۔ اب تو سفر کرنا اور لوہے کے چنے چبانا برابر ہے۔

فاطمہ — خالہ رجو! مجھے تو انھوں نے بلا بھیجا ہے! میں جاؤں یا نہیں۔

خالہ — جانے اور نہ جانے کی ضرورت کو تم سمجھ لو! اگر حد درجہ کی مجبوری ہو تو تم ضرور جاؤ۔ ورنہ میری رائے نہیں ہے۔

سب — (زور سے) تمھیں خالہ کی رائے ماننی چاہیے۔

خالہ — اچھا بیٹا۔ خوش رہو۔ ہم تو اب جاتے ہیں۔

سب — اچھا خالہ! تسلیم

خالہ — (جاتے ہوئے) تسلیم!

فاطمہ — اکبری! وہی ریکارڈ تو پھر لگاؤ!

اکبری — اچھا! سنو۔

(ریکارڈ کا بجنا اور آہستہ آہستہ بند ہونا)

راکھی

ہمایوں کے عہد کا ایک تاریخی واقعہ

افراد

ہمایوں — مغل سلطنت کا دوسرا بادشاہ

عسکری — ہمایوں کا بھائی

بہادر شاہ — والیٔ گجرات

تاتار خاں
عالم خاں } افغان سردار

رانا چتوڑ — مہارانی کرناوتی کا شوہر

راجہ — راجہ بوندی

بیگ — وزیر

مرزا زمن — ہمایوں کا بہنوئی

صدر خاں — والیٔ گجرات کا وزیر

رومی خاں { بہادر شاہی توپخانے کا مالک

رانی — مہارانی کرناوتی

اودے سنگھ { مہارانی کرناوتی کا لڑکا

اعلان —— (سازوں کے پس منظر سے آوازیں اور اعلان) ہمایوں دربار خاص میں تخت مغلیہ پر جلوہ افروز ہے) بیگ اس کے نزدیک بیٹھا ہے۔ مرزا عسکری اور دیگر امرا حسب مرتبہ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہیں۔ محفلِ عیش و نشاط جمی ہے۔ گانا ہو رہا ہے۔ طوائف گاتی ہے۔

طوائف —— (ہلکی ہلکی آواز ہوا میں گونجتی ہے اور پھر تیز ہوتی ہے)۔

کوئی امید بر نہیں آتی — کوئی صورت نظر نہیں آتی
موت کا ایک دن معین ہے — نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی — اب کسی بات پر نہیں آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں — ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

(آواز آہستہ آہستہ کم ہوتی ہے —— پیروں کی آہٹ محسوس ہوتی ہے)۔

بادشاہ —— (بھاری آواز میں)۔ کون ؟

دربان —— غلام — (عالی جاہ)

ہمایوں —— کیا ہے ؟

دربان —— بیانہ کے قلعے سے ایک قاصد آیا ہے عالی جاہ۔ اور وہ بہت

پریشان معلوم ہوتا ہے۔

ہمایوں —— پریشان۔ ! کیا خبر لایا ہے؟

دربان —— وہ صرف جہاں پناہ کے ہی روبرو کہنا چاہتا ہے۔

ہمایوں —— ہوں —— ! حاضر کرو۔

(دربان جاتا ہے۔ پیروں کی آہٹ)

بیگ —— عالی جاہ —— قاصد کی آمد خالی از علت نہیں ؟ کہیں مرزا زمن نے کوئی اور شگوفہ تو نہیں کھلایا —— !

ہمایوں —— نہیں۔ ! کوئی دوسرا سیاسی کام ہوگا۔ ! مرزا زمن کی اب کوئی چال نہیں چل سکتی۔ وہ بیانہ کے قلعہ میں قید ہے؟

بیگ —— عالی جاہ۔ مرزا زمن بڑا ہوشیار اور ذی شعور ہے۔ وہ جسم کی قید کو قید نہیں سمجھتا۔ ایک بار اس نے دوران گفتگو میں کہا تھا کہ جسم کی قید بیکار ہے۔ قید خیال اور روح کی ہونی چاہئے۔

ہمایوں —— بات تو ٹھیک ہے۔ بیگ ! مگر یہ تو بتاؤ اِن دونوں کو کس طرح قید کیا جا سکتا ہے؟

بیگ —— روح اور خیال قید نہیں ہو سکتے۔

عسکری —— جہاں پناہ —— ! یہ دونوں قید تو قید۔ ہمیشہ کے لئے غلام بنائے جا سکتے ہیں۔

ہمایوں —— کیا واقعی عسکری؟ —— وہ طریقہ تو بتاؤ !

عسکری —— کسی دوشیزہ کی دھوپ سی جوانی۔ اُس کی روح اور خیال کو طائر کی طرح قبضہ میں کر سکتی ہے۔

ہمایوں —— ہوں —— ہے تو بڑے تجربہ کی بات! (ہنسکر) کیوں عسکری؟

عسکری —— (گھبراکر) نہیں عالی جاہ! یہ تجربہ سے نہیں عقل سے پہچانی گئی ہے۔

ہمایوں —— بیگ۔ ہماری شان اور ہماری عزت کے خلاف ہے یہ بات؟

بیگ —— مگر عالی جاہ۔ مرزا زمن، جادو فہیم، دوربس اور بڑا نکتہ سنج ہے۔ قلعہ بیانہ کی پرسکون زندگی نے ضرور اُسے کوئی تدبیر سجھائی ہوگی۔

ہمایوں —— بے بس پرند (ہنسکر) بے بال و پر میں وہ کر ہی کیا سکتا ہے؟

بیگ —— مرزا زمن۔ نچلا بیٹھنے والا فرد نہیں۔ عجیب چونچال طبیعت پائی ہے۔ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی گل کھلانے کی فکر میں رہتا ہے۔

ہمایوں —— عسکری۔ کیا مرزا زمن کے لئے اتنی سزا کافی ہوگی؟

عسکری —— شرافت کی وجہ سے اگر کوئی سخت سزائیں نہیں دیتا تو اُسے اس کی کمزوری نہ تصور کرنا چاہئے۔

بیگ —— (ہنسکر) احسان! مرزا زمن نے ایسا سبق نہیں پڑھا۔ جب وہ شہنشاہ ہند کا نہ ہو سکا۔ تو اور کسی کی

کیا حقیقت ہے۔

ہمایوں — میرا خیال ہے کہ وہ اب درست ہو جائے۔

بیگ — درست! عالی جاہ! مرزا زمن تا زندگی نہیں مان سکتا۔

(دربان اور قاصد دونوں آتے ہیں)

ہمایوں — کیا بات ہے؟

قاصد — جہاں پناہ! بیانہ کے قلعہ سے یہ خط لایا ہوں۔

ہمایوں — بیگ خط لے کر پڑھو۔

(لفافہ چاک کرنے کی آواز)

بیگ — بہتر عالی جاہ۔ (پڑھتا ہے)

"جہاں پناہ شہنشاہ نصیر الدین ہمایوں زندہ باد۔ صد تعظیم و تکریم کے بعد حضور جہاں پناہ یہ اطلاع گزرانی جاتی ہے کہ مرزا زمن نے اپنی شعبدہ بازیوں سے پہرہ داروں کو ملا لیا۔ شب کے پچھلے حصے میں وہ قلعہ سے غائب ہو گیا۔ ہزار تحقیق، تلاش، جستجو اور تفتیش کے بعد اتنا پتا چلا کہ وہ والیٔ گجرات، بہادر شاہ کے یہاں پناہ گزیں ہے۔"

ادنیٰ غلام

"محافظ قلعہ بیانہ"

عسکری — اس کی تو پہلے سے توقع تھی۔ جہاں پناہ کا برادرانہ سلوک

اس کی اصلاح نہ کر سکا۔

بیگ —— ٹیڑھی چال چلنے والوں کی اصلاح سرکوبی سے ہوتی ہے۔

ہمایوں —— ہوں! رعایت اور مروت کا یہ نتیجہ؟ والد بزرگوار کے دشمن کو بھی بہادر شاہ نے پناہ دی۔ پہلے وہ عالم خاں کی پشت پناہ بنا۔ اور اب مرزا زمان کی معاون!

بیگ —— بہادر شاہ حکومت مغلیہ کا ازلی دشمن ہے! وہ دشمنوں کو پناہ دے کر اپنی طاقت روز بروز بڑھا رہا ہے۔

عسکری —— (غصہ ہو کر) اسکی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجائی جا سکتی ہے۔ مگر ایک اسلامی حکومت ہے۔ اسکی تباہی ظل اللہ کی تکلیف کا باعث ہوگی

ہمایوں —— اس عارضی تکلیف کی کچھ پروا نہ کرو۔ میں بہت دور دیکھ رہا ہوں —— عسکری۔ .. .. گجرات کو حکومت میں شامل نہ کرنے کا پھل مل رہا ہے۔ بیگ۔)

بیگ —— عالی جاہ۔

ہمایوں —— بہادر شاہ کو لکھ بھیجو کہ ایک حکومت دوسری حکومت کے دشمن کو پناہ نہیں دیتی۔

بیگ —— درست ہے عالی جاہ۔ بہادر شاہ کو اول تو عالم خاں ہی کو جگہ نہ دینی چاہیے تھی۔ مگر عالی جاہ نے

اس کی یہ حرکت خطر انداز کی۔

ہمایوں —— چشم پوشی نے اس کو اور دلیر کر دیا۔ یہ بھی لکھ دینا کہ اگر دوستی چاہتا ہے تو مرزا ازمن کو نکال دے یا اس کو ہمارے حوالے کر دے ورنہ اُسے بہت پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔

عالم پناہ! —— قاصد جا رہا ہے۔۔۔۔۔۔

(گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز۔ پہلے پاس پھر دور ہو جاتی ہے۔ آبخوروں کو الٹا زمین پر ہلکے ہلکے مار کر ٹاپوں کی آواز پیدا کی جا سکتی ہے ٹاپوں کی آواز دور ہوتی جاتی ہے۔ اور گانے کی آواز نزدیک آتی جاتی ہے)۔

طوائف گاتی ہے:۔

آ جائیں دم میں ایسے وہ سیدھے کہاں کے ہیں
ترچھی نظر ہے تیکھی ادا طرز بانکے ہیں
ہم کو نہ چھیڑو ورنہ نیا گل کھلائیں گے
صیاد اسیر ہم کسی غنچہ دہاں کے ہیں
کہتے ہیں لب نہ بات نکلتی ہی منہ سے آج
کیا بوسے لئے کسی دوشیزہ دہاں کے ہیں
اس حالِ زار پر بھی ہے زلفِ رسا کا عشق

کیا حوصلے بلند دلِ ناتواں کے ہیں

(نغموں کی آواز آہستہ آہستہ کم ہوتی ہے۔
پیروں کی آہٹ)

بہادر شاہ — بے وقت کیوں آئے ہو۔؟

دربان — ہمایوں کا قاصد ایک ضروری خبر لے کر آیا ہے۔ اور اسی وقت باریابی چاہتا ہے۔

بہادر شاہ — (ہنسکر) ہمایوں کا قاصد!

صدر خاں — ہاں عالی جاہ! وہی دغاباز لٹیرا، افغانوں کی حکومت پر قبضہ کرنے والا ہمایوں۔

بہادر شاہ — حاضر کرو۔

دربان — بہت بہتر عالم پناہ۔

(دربان جاتا ہے۔ پیروں کی آہٹ)

بہادر شاہ — کون سی ایسی سیاسی گتھی ہے جس کو ہمایوں سلجھانا چاہتا ہے۔

صدر خاں — ممکن ہے کوئی ملکی معاملہ ہو۔ اُسے ہندوستان فتح کرنے کے بعد بھی سیری نہ ہوگی۔

مرزا زمن — واقعی وہ بڑا الہوس ہے۔ جب وہ اپنے بہنوئی کو ایک انچ زمین نہ دے سکا۔ تو وہ کسی اور سے کیا بھلائی کر سکتا ہے؟

عالم خاں —— دولت اور حشمت مل جانے پر لوگ اپنا وقت بھول جایا کرتے ہیں۔ ہمایوں کو وہ دن اب کہاں یاد ہوں گے۔ جب کہ اس کی جان ایک ادنےٰ طبقہ کے انسان نے بچائی تھی۔

تاتار خاں —— ملک اور سلطنت کے معاملات کچھ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بھائی بھائی کا اور باپ بیٹے کا دشمن ہو جاتا ہے۔

بہادر شاہ —— مگر ہمایوں کو مرزا زمن کے ساتھ یہ بدسلوکی نہ کرنا چاہئے تھی۔

(قاصد آتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔)

قاصد —— شہنشاہ ہند ناصرالدین ہمایوں کا یہ نامہ والئی گجرات کے نام۔

بہادر شاہ —— کیا تحریر ہے۔

قاصد —— علم نہیں ملاحظہ فرمایئے۔

بہادر شاہ —— لاؤ (لفافہ چاک کرنے کی آواز۔) بلند آواز سے پڑھتا ہے۔

"اسلامی حکومتوں کے مابین ایسے تعلقات کا قائم ہونا جو نفرت اور حقارت کے بیج بوئیں درست نہیں۔ ایک کو دوسرے کا خیال اور لحاظ ضروری ہے۔ ایک سلطنت کے دشمن کو دوسری

حکومت میں پناہ نہ دینا چاہئے - عالم خاں کے معاملے میں چشم پوشی کی گئی - اب مرزا زمن کو پناہ دے کر گجرات کو باغیوں کا اڈا بنایا جا رہا ہے - میرزا زمن کو میرے حوالے کر دو اور حکومت دہلی سے دوستی کے تعلقات قائم رکھو - ورنہ صورت غیر میں نتیجہ کشت و خون میں ظاہر ہوگا "

بہادر شاہ — (غصہ ہو کر) صدر خاں - .. خط سنا -)

صدر خاں — انتہائی بد تمیزی سے خط لکھا گیا ہے عالی جاہ - غرور ایک ایک لفظ سے عیاں ہے - ہمایوں کے اس عجیب کو خاک میں ملا دینے کی ضرورت ہے -

بہادر شاہ — (خط پھاڑنے کی آواز ... - ..) ہمایوں کو لکھ دو کہ مرزا زمن کو پناہ دینے والا بہادر شاہ ہے - وہ ہمارا مہمان ہے ہم کبھی اسکو تمہارے حوالے نہیں کر سکتے - اگر وہ قوت آزمائی کرنا چاہتا ہے تو بہادر شاہ بھی تیار رہے -

عالم خاں — باپ کے کارناموں پر کودتا ہے - خود تو ایک انچ بھی زمین فتح نہ کر سکا -

تاتار خاں — جہاں پناہ - آپ کے دربار میں ایسے آدمی موجود ہیں جنھوں نے اپنی زندگی تلواروں کی جھنکار میں

بسر کی ہے۔ وہ اس آخری شمع کو خاموش کرنے کے
بعد حکومت گجرات کو ختم کر کے دہلی کی حکومت میں شامل
کرنا چاہتا ہے۔ ہم اپنی سلطنت کو برقرار رکھنے
کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہادیں گے۔

مرزا زمن ــــ عالی جاہ میری ایک گزارش ہے۔

بہادر شاہ ــــ بیان کرو۔

مرزا زمن ــــ جہاں پناہ! میری وجہ سے گجرات کی حکومت اور گجرات
کے باشندوں پر جنگ جیسی مصیبت نازل ہوگی۔
لاکھوں بندگان خدا موت کے گھاٹ اتر جائیں گے۔
سیکڑوں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو جائیں گے۔
مجھے آپ ہمایوں کے حوالے کر دیجئے اور حکومت دہلی
سے دوستانہ تعلقات قائم رکھئے۔

بہادر شاہ ــــ کیا کہتے ہو زمن۔ ہم بھی کچھ حمیت رکھتے ہیں۔ ایسا
نہیں ہو سکتا۔ میرے پاس بھی ایسے ہزاروں جانباز
دلیر موجود ہیں۔ ہمایوں کو میدان جنگ میں آنے تو
دو۔ دانت کھٹے کر دئے جائیں گے۔ میں ہمایوں کو تمہارے
ساتھ بدسلوکی کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔

مرزا زمن ــــ قسمت میں جو لکھا ہوگا وہ ہو جائے گا۔

قاصد ــــ شہنشاہ ہند۔ اپنے عزیزوں سے کبھی برا سلوک نہیں

کرتے کیونکہ سلطان ہند بابر نے مرتے وقت اُن کو یہ
وصیت کی تھی کہ وہ اپنے عزیزوں کو ہر ممکن آرام
پہنچائیں اور اُن سے اچھی طرح پیش آئیں۔ برابر برتاؤ
نہ کرنا آئین حکومت کے خلاف ہے۔

بہادر شاہ — جبھی تو مرزا بیانہ کے قلعہ میں قید تھا۔ کیوں؟ صدر خاں

صدر خاں — جہاں پناہ۔

بہادر شاہ — ہمایوں کے خط کا منھ توڑ جواب دے کر قاصد کو روانہ کرو۔

رومی خاں — !

رومی خاں — عالی جاہ ...

بہادر شاہ — توپوں کو ہر وقت کیل کانٹے سے درست رکھو، نہ
معلوم کس وقت لشکر کشی کی صورت پیش آئے۔

رومی خاں — جانباز ہر وقت تیار ہیں عالی جاہ۔

بہادر شاہ — جب تک ہمایوں گجرات پر حملہ کرے ہمیں چتوڑ کے
قلعہ کا فیصلہ کر دینا چاہیے۔ اس وقت اگر کہیں چتوڑ
کے رانا نے حملہ کر دیا تو سوائے شکست کے اور کوئی
صورت نہ ہوگی۔

رومی خاں — کل کے فرمان کے مطابق عالی جاہ ایک فوج حملہ کو جا چکی
ہے اور دوسری تیار ہے۔ کل صبح اور تازہ دم سپاہی
روانہ ہو جائیں گے۔

بہادر شاہ ـــ سواروں کو روانہ کر دو۔ میں بھی حملہ میں شرکت کرونگا۔
جاؤ طبل جنگ بجواؤ۔ میری سواری لاؤ۔
(طبل جنگ بجتا ہے اور گھوڑوں کی ٹاپوں
کی آوازیں آتی ہیں)۔

رومی خاں ـــ وہ دیکھئے عالی جاہ ـــ! چتوڑ کے قلعہ کی دیوار پر فوج تیار ہے
بہادر شاہ ـــ کیوں نہیں؟ مگر پریشان نہیں معلوم ہوتے ہیں۔ وہ دیکھئے
طبل جنگ کی آواز۔ رانا چتوڑ کی فوجیں بڑھتی معلوم
ہوتی ہیں۔ طبل جنگ کی آواز نزدیک تر آتی جاتی ہے۔

. . . .

رانا چتوڑ ـــ جنگ میں اپنے سر دے دو ـــ! راجپوتوں کے نام
پر بٹہ نہ آئے۔ فوج کا ایک بھی قدم پیچھے نہ ہٹے۔
ایک آواز ـــ مگر مہاراج۔! بہادر شاہ کی دوسری کمک بھی آگئی اسکے
قلب میں خود بہادر شاہ بھی آیا ہے۔
رانا ـــ آنے دو ـــ! ہمیں کسی قسم کا خوف نہ کرنا چاہئے۔۔
ایسی لڑائیاں لڑنا تو ہماری روزانہ زندگی کا معمول ہے۔
دوسری آواز۔ ہمارا سیناپتی اپنی فوجیں مقابلے پر لئے ڈٹا ہے ـــ
مگر ـــ!
رانا ـــ مگر کیا ـــ!
دوسری آواز۔ مگر مہاراج دشمنوں کے کان بہرے کامیابی کی امید

کم ہے۔

رانا ——— ایسے وہم و گمان کو اپنے دل میں جگہ بھی نہ دینا کیا راجپوت اس قدر بزدل ہیں۔ کہ وہ ان چند لٹیروں سے ہار جائیں

دوسری آواز — یہ بزدل اور کمزوری کا سوال نہیں ہے مہاراج۔ ہر راجپوت اپنے خون کی ہولی کھیلنے کو تیار ہے۔ سیکڑوں اس وقت تک اپنے خون سے چتوڑ کی سرزمین کو رنگ چکے ہیں۔

رانا ——— پھر ؟

دوسری آواز — مہاراج۔ بہادر شاہ کی فوجیں گھٹا کی طرح سے چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہیں۔ ہمیں اب اپنے ملک سے تازہ دم جوان نہیں مل سکتے۔ بہادر شاہ کی جتنی فوجیں ماری جاتی ہیں۔ اتنی ہی اسکو مل جاتی ہیں۔ ہمارے جانباز مرتے جاتے ہیں۔ اور انکی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

رانا ——— تب —— ؟

پہلی آواز —— مہاراج۔ اب سوائے قلعہ میں بند ہو جانے کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

(مہارانی کے آنے کی آہٹ)

رانا ——— کون ؟ مہارانی کرناوتی۔

رانی —— ہاں مہاراج۔ میرے پاس پل پل کی خبریں آرہی ہیں، ہماری فوج کی حالت بہت ابتر ہے اور چتوڑ کا ستارہ اب ڈوبنا چاہتا ہے۔

رانا —— ہم لڑتے لڑتے جان دیدیں گے۔ مگر کبھی ہتھیار نہ ڈالیں گے

رانی —— چتوڑ کے قلعے پر یہ پھریرا اسی طرح اُڑتا رہے گا۔ اگر آپ مجھے ایک بات کی اجازت دیں۔

رانا —— کہو۔

رانی —— میں ہمایوں کو راکھی بھیجتی ہوں اور اسکو اپنا راکھی بند بھائی بنا کر اس سے مدد کی طالب ہوتی ہوں۔

رانا —— مجھے کوئی توقع نہیں۔

رانی —— یہ بحث کا وقت نہیں۔ ہاں یا نہیں کہئے۔ مسلمان کبھی مسلمان کے خلاف تلوار نہیں اٹھا سکتا اس لئے کہہ رہا ہوں۔

رانی —— مگر بہن کی مسلمان میں بڑی عزت ہوتی ہے وہ اپنی بہن کی درخواست کو کبھی ٹھکرا نہیں سکتا۔

رانا —— اگر تم کو توقع ہو تو کرکے دیکھ لو۔

رانی —— میں ایک تیز سوار کو ابھی روانہ کرتی ہوں۔

(قاصد کا خط لے جانا اور ٹاپوں کی آواز۔)

رانا —— قلعے کی دیوار پر گولہ گرا افسوس ۔۔ ۔۔۔ !

ایک سپاہی ـــ مگر مہاراج قلعے کی دیوار کو زیادہ نقصان نہیں پہونچا۔
رانا ـــ قلعے کے تمام راستے بند کردو۔
سپاہی ـــ یہ پہلے ہی کر دیا گیا ہے۔
رانی ـــ ہمیں ہمایوں کی آمد تک قلعہ کی حفاظت کرنا چاہیئے۔
رانا ـــ کیا یہ ممکن ہے۔
رانی ـــ ہاں ـ مگر مجھے اودے سنگھ کی طرف سے خطرہ ہے۔
رانا ـــ اودے سنگھ کیا ـــ سبھی کی جانیں خطرہ میں ہیں۔ کیا کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی۔ کہ اودے سنگھ بہادر شاہ سے بدلہ لینے کے لئے زندہ بچ سکے۔
رانی ـــ میں نے تو یہ طے کرلیا ہے کہ اُس کو چور دروازے سے راجہ بوندی کے یہاں بھیجدوں۔
رانا ـــ کیا راجہ بوندی اُسے منظور کرلیں گے؟
رانی ـــ انھوں نے قریب قریب اُسے منظور کرلیا ہے۔ مہاراجہ کی اجازت کی ضرورت ہے۔ لیجئے وہ آگئے۔ میں نے انکو پیغام بھیجا تھا۔
رانا ـــ کیا اودے سنگھ کی حفاظت آپ کرسکیں گے۔
راجہ ـــ میں اودے سنگھ کی حفاظت میں اپنا آخری قطرہ تک بہادوں گا۔
رانی ـــ اودے سنگھ بھی آتا ہی ہوگا۔ میں چاہتی ہوں کہ چتا

میں چلنے سے قبل اپنے ننھے راجہ کو دیکھ لوں۔

رانا ——— تو کیا تاج پہنانا چاہتی ہو؟ ——— یہ لو۔ یہ سر اس قابل نہیں کہ اس کی حفاظت کر سکے۔

(اودے سنگھ کا دوڑتے ہوئے آنا ......)

رانی ——— چتوڑ کی حکومت کا راجہ! ——— آؤ بیٹا ———

اودے سنگھ ——— ماتا جی ——— !

رانی ——— بیٹا۔ میں اب تم کو چتوڑ کا راج سونپتی ہوں اور اس لئے کہ تم بہادر شاہ سے اپنے باپ کا بدلہ لینا۔ (سر پہ تاج رکھ دیتی ہے) لو اس تاج کو اپنے سر پہ رکھو ——— اس کی حفاظت کرنا تمہارا فرض ہے۔

رانا ——— بیٹا۔ گھبرانا نہیں۔ اس کا نام دنیا ہے ہم لوگ سفر پہ جا رہے ہیں تم اپنے راجہ بوندی کے ساتھ جاؤ اور وہیں رہنا۔

اودے سنگھ ——— سفر پر تو میں بھی چلوں گا ماتا جی ——— !

رانی ——— نہیں بیٹا ——— ! تم اب جاؤ۔ راجا سفر نہیں کرتے اپنے ملک میں رہ کر پرجا کی نگرانی کرتے ہیں۔

اودے سنگھ ——— اچھا تو آپ جلدی آئیں گی نا۔؟

رانی ——— ہاں! اور یوں تو جب تم یاد کرو گے آجائیں گے۔

اودے سنگھ ——— مگر پتاجی تو رہیں گے۔

رانی ——— شاید وہ بھی میرے ساتھ سفر پر جائیں۔
اودے سنگھ — تو ایسے تاج کو میں کیا کروں جس کو پاکر ماتا پتا چھوڑنے پڑیں۔
رانی ——— یہ دنیا کا دستور ہے بیٹا۔
اودے سنگھ — کیا اس دستور کو ہم توڑ نہیں سکتے؟۔
رانی ——— نہیں بیٹا۔ سماج کی بندھن بہت مضبوط ہیں۔ اچھا ——— جاؤ —— ایشور تمہاری رکشا کرے۔

(اودے سنگھ جاتا ہے۔ پیروں کی آہٹ)

ہمایوں ——— بہادر شاہ کو سزا دینا ہمارا اولین فرض ہے۔
بیگ ——— ضرور۔ عالی جاہ —— وہ دیکھیے بلا وجہ چتوڑ پر حملہ کر بیٹھا۔
ہمایوں ——— ہاں —— رانی کرناوتی نے مجھے اپنا راکھی بند بھائی بنایا ہے۔ اور مجھے اپنا قول پورا کرنا ہے۔ وہ اس وقت بہت دکھی معلوم ہوتی ہے۔ اگر ہماری مدد جلد نہیں پہونچی تو چتا میں جل کر مر جائے گی۔
عسکری ——— ایک مسلمان بادشاہ کے مقابلے میں ایک ہندو کی مدد کیسے کی جا سکتی ہے؟
ہمایوں ——— عسکری۔ یہ ہندو مسلمان کا معاملہ نہیں۔ یہ بھائی اور بہن کا معاملہ ہے۔ مذہب کی آہنی دیوار اس رشتہ کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔

عسکری ——— مگر یہ راجپوتوں کے خلاف جہاد ہے۔

ہمایوں ——— میں پہلے ہی بہادر شاہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر چکا ہوں۔
اور اب میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ میں اپنی منھ بولی
بہن کی مدد کروں گا۔

بیگ ——— تو فوجوں کا رخ بدلوا دینا چاہیے۔ میں ایک تیز سوار قاصد
روانہ کرتا ہوں۔ اور اطلاع کرتا ہوں کہ اعلیٰحضرت
بہ نفس نفیس اپنی بہن کی امداد کے لئے تشریف لا رہی ہیں

ہمایوں ——— جلدی اور ضرور۔

(توپوں کی آواز اور گرج)

مہارانی ——— بھائی کا جواب تو آگیا مگر بھائی نہیں آیا۔

رانا ——— یہ صرف تسلی دی ہو گی۔

مہارانی ——— مغل بادشاہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔

رانا ——— مگر یہاں تو چتوڑ کی قسمت کا فیصلہ ہوا چاہتا ہے۔

مہارانی ——— چتا بھی تیار ہے۔ چتوڑ کے فیصلے کے ساتھ چتوڑ کی باعظمت
راجپوتیاں بھی اپنی پاکدامنی کا ثبوت چتا میں جل کر
دینے کے لئے تیار ہیں۔

(گولے کی آواز ——— دھماکا ———)

رانا ——— اوفوہ .... ! قلعہ کی دیواریں اب سلامت نہیں
رہ سکتیں۔ بہادر شاہی توپوں کا منھ اب قلعہ کی جانب

آواز ـــــ مہاراجہ قلعہ کی دیواریں ٹوٹ گئیں۔

رانا ـــــ بہادرو ٹوٹ پڑو۔ فوجوں پر ـــــ اپنا آخری قطرہ خون بہادو

آوازیں ـــــ مارو۔ قتل کرو ـــــ بڑھے چلو۔

(آوازیں شور غل۔ تلواروں کی جھنکار)

رانی ـــــ بہادر شاہ کو راکھ کے سوا کچھ نہیں مل سکتا۔ یہ چتوڑ کی قسمت کا فیصلہ ہے۔

(آگ میں کودنا ـــــ آوازیں ۔۔ ۔۔ ۔۔ آہ۔ آہ!)

اعلان ـــــ (بہادر شاہ والیٔ گجرات کا یہ فرمان شاہی ہے کہ آج سے چتوڑ گجرات کی حکومت میں شامل ہوگیا۔ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ فوجیں اب دل کھول کر خوشی منائیں)۔

نغمہ ـــــ گانا ـــــ بجانا

طوائف گاتی ہے:-

سانس رکی تنِ بسمل میں جو آتے جاتے
اور جلاد نے جھٹکا دیا جاتے جاتے
یک بہ یک دل سے مٹے حرفِ محبت کیونکر
لالہ رُو داغ ترا جائیے گا جاتے جاتے
کوچۂ یار میں جانے کا مزا ہم سے کون
خود حذر کرتا ہوں اس راہ سے آتے جاتے

شمع گل تربتِ عاشق پہ لاتے نہ سہی
فاتحہ کے تو لیے ہاتھ اٹھاتے جاتے

(گانا ختم ہوتا ہے۔ گولوں کی آوازیں اور
تالیوں کا شور سنائی دیتا ہے۔)

بہادر شاہ — ہمایوں آگیا

صدر خاں — پروا نہیں عالی جاہ — ہمایوں کی فوجیں بھی آج بہادر شاہ کا لوہا مان لیں گی۔

بہادر شاہ — ابھی چتوڑ کی مہم سر کی ہے۔ فوج بالکل خستہ ہو چکی ہے۔

صدر خاں — مگر ہمایوں کو پیٹھ دکھانا افغانوں کی توہین ہے۔

رومی خاں — ابھی رومی خاں کے نوجوان تازہ دم ہیں۔

مرزا زمن — اب تو مصیبت آہی گئی جو کچھ بھی ہو۔

عالم خاں — میں حاضر ہوں۔ عالی جاہ۔ میں نے ایسے سیکڑوں معرکے دیکھے ہیں۔

تاتار خاں — اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔

بہادر شاہ — کہو — ہمایوں کی فوجیں نزدیک آرہی ہیں۔

تاتار خاں — اس وقت جنگ کرنا مناسب نہیں۔ کسی طرف کو ہٹ جانا بہتر ہے۔

بہادر شاہ — بالکل درست ہمایوں کا مقابلہ دشوار ہے۔

تاتار خاں — اب نئی کمک بھی نہیں آسکتی۔ ہمایوں کی فوجیں درمیان

میں حائل ہیں۔

بہادر شاہ — فوجوں کو مانڈو کی طرف نکل جانے کا حکم دے دو۔

صدر خاں — پیٹھ دکھانا اچھا نہیں۔

بہادر شاہ — اس کا نام مصلحت ہے۔ جنگ اور محبت میں ہر چیز جائز ہے۔

(گھوڑوں کی ٹاپیں — اور دور ہوتی جاتی ہیں اور ہمایوں کا طبل جنگ بجتا نزدیک آتا ہے۔)

ہمایوں — بھاگ گیا۔ مانڈو کی طرف بزدل ہے۔

بیگ — اچھا ہوا ورنہ بڑی گھمسان لڑائی ہوتی —

ہمایوں — یہ آگ کیسی جل رہی ہے۔

بیگ — کہیں مہارانی کرناوتی کی چتا تو نہیں ہے۔

ہمایوں — اس آدمی سے پوچھو۔

بیگ — (چند قدم جا کر) کیوں بھائی یہ آگ کیسی جل رہی ہے۔

آدمی — یہ مہارانی کرناوتی کا چتا ہے — ظالم بہادر شاہ سے اپنی عزت بچانے کے لئے — آہ۔ آہ۔

بیگ — تم کون ہو —

آدمی — قلعہ کا چوکیدار — بہادر شاہی فوجوں نے گھائل کر دیا۔ افسوس — بہن بھائی کا انتظار کرتی رہی مگر ایشور کو ملاپ منظور نہ تھا۔

(آہ ـــ آہ ـــ آہ)

بیگ ـــ (چند قدم واپس آکر) یہ مہارانی کرناوتی کی چتا ہے عالی جاہ!

ہمایوں ـــ افسوس ۔ ہمیں اپنی راکھی بھیجنے والی بہن کو دیکھنا نصیب نہ تھا۔

بیگ ـــ عالی جاہ افسوس نہ کریں۔ آپ نے اپنی محبت کا ثبوت دے دیا ۔ عالی جاہ کی یہ مہم تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھی جائے گی ۔ دنیا دیکھے گی کہ مسلمان ہندوؤں سے نفرت کرنے کے بجائے اُن سے کس قدر محبت رکھتے تھے ۔

ہمایوں ـــ مگر یہ صدمہ مجھے زندگی بھر نہ بھولے گا۔

(درد بھرے ساز ـــ
آہستہ آہستہ خاموش ہوتے ہیں)

"رشتہ داری"

ماخوذ از شریف زادہ

افراد

۱ — مرزا فدا حسین کی بیوی —— ذاکر کی ماں ۔ جاہل عورت

۲ — ذاکر —— شریر لڑکا

۳ — مرزا عابد حسین کی بیوی —— مرزا فدا حسین کی بیوی کی منھ بولی بہن —

(بچہ روتا ہوا آتا ہے۔ آواز دور سے مائکروفون کے پاس آتی ہے)

مرزا فدا حسین کی بیوی: کیا ہوا بیٹا؟ بولو تو کہ روئے ہی چلے جاؤ گے! کاہے
رو رہے ہو؟

ذاکر ———— (روکر) چچا میاں نے مارا؟

مرزا فدا حسین کی بیوی: اے ہے! تمام کان لال ہو گئے سارا منہ سرخ ہو گیا بچہ
بلبلا گیا؟ کیا ہوا تمھارے؟ کیوں مارا؟

ذاکر ———— (روکر) باغ کے مالی نے شکایت کر دی! انھوں نے
بلا کر تنبیہ کی۔

مرزا فدا حسین کی بیوی: بہت خوب! یہ رہ گئی ہے رشتہ داری! ایک مالی کی
شکایت پر میرے بچہ کو مارا۔

ذاکر ———— (روکر) مجھے اور ابا جان کو برا بھلا بھی کہا۔ ۔۔ ۔۔
اُوں۔ اُوں۔ اُوں۔

مرزا فدا حسین کی بیوی: ہیضہ آئے اللہ کرے مالی کو! اس کے گھر کا چراغ گل
ہو جائے! شکایت کرنے والے کی زبان سڑ جائے۔

ذاکر ———— میں نے دو نارنگیاں توڑی تھیں۔ ۔۔ ۔۔ (سسکیاں لیکر)

مرزا فدا حسین کی بیوی: اوئی! نگوڑی دو نارنگیوں پر یہ آفت! سچ ہے کبھی
کسی کے گھر آکر نہ رہنا چاہیئے۔ موئے جنگل میں

بلا کر بکو ڈالدیا۔ پندرہ روپلی کی نوکری اور میرٹھ!
فاتحہ کرتے مگر لکھنؤ ہی بھلے تھے! مار مار کے میرے
بچوں کو کھائے جاتے ہیں۔

ذاکر ـــــــــــ خود ان کے گھر بھر بھر کر لوٹ کرے آتے ہیں؟
تو کچھ نہیں۔

مرزا فدا حسین کی بیوی۔ وہ تو اپنے آپ کو مالک سمجھتے ہیں۔ جتنا سرکاری
ملک۔ سرکاری باغ اور سرکاری مال و دولت
ہے وہ اپنا ہی جانتے ہیں۔

ذاکر ـــــــــــ (رو کر) مجھے ڈانٹتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ میں
تو فدا حسین کو نوکر رکھوا کر مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔

مرزا فدا حسین کی بیوی۔ پندرہ روپئے کی نوکری کیا دلوائی۔ فریدون کی
بادشاہت دلوائی ہے نا! ہائے! پندرہ روپئے
کی نوکری کے لئے گھر چھوٹا یا۔ بار چھوٹا یا، موئے
جنگلے ہیں بلا کے ڈالدیا۔ اگر یہاں کوئی مر جائے تو
کیا ہو؟ کھٹیا پر اٹھایا جائے۔ فاتحہ درود بھی
اچھی طرح نہ ہو۔

ذاکر ـــــــــــ (سسکیاں لے کر) ہمیں ہر وقت ڈانٹتے ہیں۔
باغ میں جاتے ہی تو چیختے چلاتے ہیں۔ لڑکوں کے
ساتھ کھیلتے ہیں تو کہتے ہیں کم ظرف ہے۔ بتاؤ

امّی جان ہم کیا کریں؟

مرزا فدا حسین کی بیوی آگ لگے اس شہر کو۔ جہاں بچوں کے کھیلنے اور کودنے کو زمین و آسمان نہیں۔ لکھنؤ ہوتا اپنے عزیز و اقارب ہوتے۔ سب کھیلتے کودتے۔ یہاں نہ کوئی پوچھنے والا اور نہ کوئی گچھنے والا۔ اور تو اور میری بتولی کو دوسرا سال بھر کے تیسرا شروع ہو گیا شہر میں دودھ بڑھائی کرتی۔ چار اپنے پرائے جمع ہوتے نذر نیاز ہوتی۔ اپنے شہر کے چنے اچھے اور باہر کا پلاؤ اچھا نہیں۔

ذاکر ——— چھوڑو اس شہر کو! چلو لکھنؤ! یہاں نہ کہیں کنکوّا ہے اور نہ کہیں بٹیر نظر آئے۔

مرزا فدا حسین کی بیوی بیٹا! تم کیا کہتے ہو میں تو اس موئے میرٹھ میں خود ہی تھکو کتی ہوں۔ اب تمھیں بھی پندرھواں سال ہے ماشاء اللہ مسیں بھیگتی ہیں۔ لکھنؤ پہونچونگی ان کے سیل کا کونڈا کرونگی اور تو اور ثریا مرزی نویں برس میں ہے۔ اپنے شہر میں ہوتی تو اسکی نسبت کا بند و بست کر چکی ہوتی۔ مشاطہ کو بلواتی اور رقعہ منگواتی۔ میں تو کہتی ہوں بھٹ پڑے وہ سونا جس سے کان ٹوٹیں۔

(مرزا عابد حسین کی بیوی آتی ہیں)

مرزا فدا حسین کی بیوی - بھابی! بھائی صاحب نے دیکھو تو بچے کو کتنا مارا؟ بلک بلک کر رو رہا ہے۔ موئے کی جان آدھی ہو گئی

عابد حسین کی بیوی - تم تو اُن کی عادت کو جانتی ہو کہ وہ بچوں کو کبھی مارتے ہی نہیں۔ ذاکر جھوٹا ہے سمجھا دیا ہو گا

مرزا فدا حسین کی بیوی - اے یہ لو! میاں بیوی ایک رائے! دیکھو تو کیسا آٹھ آٹھ آنسو رو رہا ہے۔ بلا مارے وہ کبھی روتا ہے۔

عابد حسین کی بیوی - بھابی! آپ بھی تو قیامت کرتی ہیں۔ مجھے اُن کے ساتھ زندگی گزارتے بیس برس ہو گئے! میں نے تو کسی بچے کو مارتے دیکھا نہیں۔

مرزا فدا حسین کی بیوی - انہوں کو کیوں مارتے! غیر کا بچہ تھا ذاکر۔ ایسا مارا ایسا مارا کہ لبوں پہ دم آگیا۔ خطا کیا تھی؟ سرکاری باغ سے امرود اور نارنگیاں توڑ لیں۔

عابد حسین کی بیوی - یہ تو میں قیامت تک یقین نہیں کر سکتی کہ انھوں نے مارا ہو گا؟ ہاں اس میں کلام نہیں انھوں نے تنبیہہ ضرور کی ہوگی۔ اگر انھوں نے سرکاری باغ سے نارنگیاں توڑنے اور امرود چرانے پر تنبیہہ کی تو کیا برا کیا؟

مرزا فدا حسین کی بیوی۔ بس اسی بات پر تو میرے تن بدن میں آگ لگتی ہے۔ تم میرے بچے کو چور کہتی ہو۔ چوری کیسی؟ چچا کا باغ سمجھ کر لڑکے نے دو پھل توڑ لئے۔

عابد حسین کی بیوی۔ چچا کا زرخرید باغ تو ہے نہیں۔ چچا تو صرف نگراں ہیں اسکی تو ایک چیز بھی ہمارے لئے حرام ہے۔

مرزا فدا حسین کی بیوی۔ یہ حرام حلال بس زبانی ہی ہے۔ اور پھل پھلاری وہاں سے آتے ہی ہیں۔ گھر بھر تمھارا زہر مار کرتا ہے یا نہیں۔

عابد حسین کی بیوی۔ یہی تو آپ کی سمجھ کا پھیر ہے۔ یہاں جو کچھ آتا ہے مول آتا ہے۔

مرزا فدا حسین کی بیوی۔ یہ تو ہم نے کبھی نہیں سنا کہ گھر کا باغ ہو اور اس میں پھل پھلاری مول آئے۔

عابد حسین کی بیوی۔ تو کیا ہمارا باغ ہے؟

مرزا فدا حسین کی بیوی۔ پھر کس کا باغ ہے؟ نام کو سرکاری ہے۔

عابد حسین کی بیوی۔ یہ اچھی کہی بھابی! حلوائی کی دوکان پر دادا جی کی فاتحہ! سرکاری باغ اور اس کے مالک بلا قیمت ادا کئے ہم۔

مرزا فدا حسین کی بیوی۔ اچھا وہ سرکاری ہی سہی مگر سرکار نے دیا تو ہے ترکاری کھانے کو۔

عابد حسین کی بیوی۔ سرکار سے تنخواہ دی جاتی ہے۔ بھتہ دیا جاتا ہے۔

ترتر کاری کھانے کو باغ نہیں دئے جاتے۔

مرزا فدا حسین کی بیوی۔ اجی بس! میں نے بھی یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کئے۔ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور ہوتے ہیں۔

عابد حسین کی بیوی۔ باغ پر کیا موقوف! وہ تو انجنیر ہیں۔ لاکھوں روپیہ کی جائداد۔ سیکڑوں روپیہ کا سامان ان کے حوالہ رہتا ہے۔ ایک باغ ہی پر کیا موقوف ٹھیکیدار جو روپیہ دیتا ہے وہ بھی سرکار میں جاتا ہے۔

مرزا فدا حسین کی بیوی آدھے کا تہائی جاتا ہوگا۔

عابد حسین کی بیوی۔ توبہ کرو توبہ! ہم لوگ سوائے تنخواہ اور بھتّے کے ایک حبہ کے بھی گنہگار نہیں ہوتے۔

مرزا فدا حسین کی بیوی۔ اچھا تو کیا پھل پھلواری سے بھی گئے گذرے۔

عابد حسین کی بیوی۔ ہماری کیا حقیقت ہے۔ بڑے انجنیر صاحب جب دورے پر آتے ہیں تو اُن سے بھی میوے اور ترکاری تک کے دام وصول کرلئے جاتے ہیں۔

مرزا فدا حسین کی بیوی۔ یہ تو سب کہنے کی باتیں ہیں۔ بچے نے دو نارنگیاں توڑلیں اُس پر یہ طومار باندھا۔ ابھی تمہارے بیٹے باقر اگر امرود توڑلیتے تو ان کا ہاتھ کون پکڑ لیتا

عابد حسین کی بیوی۔ میاں باقر اگر ایسا کرتے تو اُن کو سخت سزا دی جاتی۔

مرزا فدا حسین کی بیوی کیوں جھوٹ بولتی ہو بھابی! اچھا وہ اگر سرکاری باغ ہے تو کیا ہر وقت سرکار دیکھا کرتی ہے۔

عابد حسین کی بیوی نہ تو سرکار دیکھتی ہے اور نہ کوئی منع کرتا ہے مگر خدا تو دیکھتا ہے۔ ہم چوری کیوں کریں۔ خدا نے ہمیں پیسہ دیا ہے ہم مول کیوں نہ لیں۔

مرزا فدا حسین کی بیوی۔ یہ تو ہم نے ہیں آکے سنا کہ ککڑی کے چور کی گردن ماردی جائے۔

عابد حسین کی بیوی ککڑی ہو یا کھیرا کسی چیز کی چوری ہو۔ چوری تو پھر چوری ہے مگر یہ بھی خوب ہے "چوری کی چوری اور پھر سینہ زوری"

مرزا فدا حسین کی بیوی پھل پھلاری کی چوری چوری تھوڑا ہی ہوتی۔ وہ ہوتا ہی اس لئے ہے کہ جس کے ہاتھ آیا اس نے توڑ لیا۔ ہمارے میکے میں خالہ ہمسائی کے گھر میں بیری کا درخت تھا۔ ہم اور ہماری بہنیں دن بھر بیر جھورا کرتے تھے

عابد حسین کی بیوی۔ کوئی غیرت مند ہوں گی بیچاری؟

مرزا فدا حسین کی بیوی ایک دن مجھ کو انھوں نے کوسا۔ دوپہر کو وہ تو سو گئیں۔ میں نے مارے ڈھیلوں کے بیر کا ستھراؤ کر دیا

عابد حسین کی بیوی۔ یہاں تو آم کی پانچ کیری کے بدلے چھ مہینے کی سزا ہوتی ہے۔

مرزا فدا حسین کی بیوی۔ اچھا بیوی اچھا! اب تو تمہارے بس میں ہیں۔

اب چاہے جیل خانے بھجواؤ اور چاہے پٹواؤ۔ جو جی چاہے وہ کرو۔

عابد حسین کی بیوی ۔ آپ تو ہر بات کو الٹی سمجھتی ہیں۔

مرزا فدا حسین کی بیوی ۔ ہاں میری تو سمجھ الٹی ہے۔ تم جیسی چھوکریوں کی سمجھ سیدھی ہے آجکل تو! اگر وہ تمہاری نوکری نہ کرنے تو ہمیں جوتیاں کیوں کھانا پڑتیں۔

(دستک کی آواز کھٹ کھٹ کھٹ)

آواز ——— (دور سے) ذاکر میاں ۔ یہ امرودوں اور نارنگیوں کی ٹوکریاں لے جاؤ ۔ مرزا عابد حسین نے بھیجے ہیں۔

مرزا فدا حسین کی بیوی ۔ (چیختی چلاتی ہوئی) پھٹکار ایسی نارنگیوں پر۔ لعنت ہے ایسے امرودوں پر۔ پہلے میرے بچے کو مارا اور جیل بھجوایا! اب چلے ہیں محبت دکھانے۔

عابد حسین کی بیوی ۔ اے ہے بھابی! تم تو بڑی آفت کی پرکالہ ہو۔ تم نے تو منہ کھول دیا اور آنکھیں اور کان بند کرلئے ۔ بکو اس کئے ہی چلی جاتی ہو۔

مرزا فدا حسین کی بیوی ۔ تم لوگوں کی تو وہ مثل ہے سر پر جوتی اور منہ میں روٹی ۔ اُسے پہلے ذلیل کرلیا ۔ اب نارنگیاں اور امرود دینے بیٹھے ہیں ۔ جو کوئی ایسا بے غیرت ہو تو اسکو یہ نارنگیاں بھجوادو ۔ بندی کی جوتی کی نوک پر

عابد حسین کی بیوی — بھابی بندی جوتی لوک پر رکھے یا نہ رکھے مگر دیکھو تو
انھوں نے پہلے اپنا بچہ سمجھ کر تنبیہ کی اور پھر بازار سے منگوا کر اسکو نارنگیاں دیں۔ اس میں عیب کیا ہے؟
مرزا فدا حسین کی بیوی اے میں تو رکھا دوں گی آگ ان میں۔ بھلے آدمی کو ایک بات اور بھلے گھوڑے کو ایک چابک۔
ذاکر ——— اماں! لے بھی لو! لے کر ایک مجھ کو دیدو۔
مرزا فدا حسین کی بیوی موئے نیرا تو ڈھائی چلو خون پی لوں گی۔ جن نارنگیوں کے کارن اتنی ذلت اٹھائی۔ جوتیاں کھائیں وہی نارنگیاں پھر کھانے کے لئے مانگنے لگا۔ بے غیرت ہے موا بے غیرت۔
عابد حسین کی بیوی — بھابی! آپ نے تو ناک میں دم کر دیا۔
مرزا فدا حسین کی بیوی — ہاں ناک میں دم کر دیا۔ آج وہ آ تو جائیں۔ ان سے کہوں گی کہ چلو گھر علیحدہ لے کر رہو۔
(دستک کی آواز ——— کھانسنے اور کھنکارنے کی آواز۔) کون؟
مرزا فدا حسین ——— میں ہوں میں!
مرزا فدا حسین کی بیوی ذرا رک جانا بھابی کھڑکی سے ذرا اُدھر نکل جاؤ!
(کھٹ کھٹ کھٹ ——— آؤ!)
مرزا فدا حسین ——— (آتے ہیں) سنتی ہو آج سرکاری حکم یہ آگیا ہے کہ

ڈاک بنگلہ کے برابر جو کوٹھری ہے ہم لوگ اس میں جاکر رہیں۔

مرزا فدا حسین کی بیوی اوئی یہ کیوں؟ یہ اچھا خاصہ گھر چھوڑ کر ہم وہاں کیوں جائیں؟

مرزا فدا حسین — کیوں نہیں؟ سرکاری حکم ہے۔

مرزا فدا حسین کی بیوی سرکاری حکم تمہارے لئے ہو گا۔ تم جاکر رہو اُس مرغی کی دھابلی میں رہو۔

مرزا فدا حسین — اب تو رہنا ہی اُسی میں ہے۔

مرزا فدا حسین کی بیوی ہم تو نہیں جاتے۔ ہم تو یہیں رہیں گے۔ مگر یہاں رہنے میں ایک اور آفت میری جان پر سوار ہے۔ یہ جو بھابی ہیں۔ چار پیسے ہو جانے پر اترانے لگی ہیں۔ وہ تو بس کی گانٹھ ہیں بس کی گانٹھ۔

مرزا فدا حسین — بھابی تو بس کی گانٹھ نہیں ہیں۔ یہ تو سرکار ہیں۔ بس کی گانٹھ!

مرزا فدا حسین کی بیوی اچھا میں ہی ہی! تم بھی آن کر میری چھاتی پر سوار ہو گئے بھاوج کو کچھ نہیں کہا جاتا۔ پندرہ روپلّی کی نوکری کے لئے تم جوتیاں کھاؤ۔

مرزا فدا حسین — خلاصہ یہ کہ تم اس بنگلہ میں نہیں رہنے پاؤ گی۔

مرزا فدا حسین کی بیوی ہم تو تمہاری ضد سے یہیں رہیں گے۔

مرزا فدا حسین ـــ کیا تمہارے باپ کا مکان ہے ؟ جھونٹا پکڑ کر یہاں
سے نکالدی جاؤ گی۔

مرزا فدا حسین کی بیوی تم تو باتوں باتوں میں باپ تک پہنچے جاتے ہو جھونٹا
پکڑ کر نکالی جائیں تمہاری اماں بہنا۔ مجھ سے اگر
اب ایسا کلام کیا تو منہ پیٹ لونگی۔

مرزا فدا حسین ـــ اچھا جو تمہارا جی چاہے وہ کرو۔ بندہ تو اُن سُن
پٹی لے کر سوتا ہے۔

مرزا فدا حسین کی بیوی۔ اُن سُن پٹی لے کر سُوؤ یا کچھ کرو۔ جوتے کھلوائیے
بچوں کو جیل بھجوادیا۔ میں نہیں ٹھہرونگی۔ تمہارے
گھر میں میں جاتی ہوں۔ مجھے میرے گھر پہنچادو۔

مرزا فدا حسین ـــ اچھا اپنا اسباب تیار کرو۔ میں چھٹی لے کر آتا ہوں۔
تم تو مل جل کر رہنا جانتی ہی نہیں ہو۔
(جاتا ہے)

فیچر

"کاروانِ امیر کا آخری مسافر"

افراد

۱	سعید	منتہی درجہ کے طالب علم
۲	سلطانہ	
۳	قیصر	

(گراما فون کا ریکارڈ بج رہا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سعید سیٹی بجاتا جاتا ہے۔ کبھی کبھی خود بھی گنگنا اٹھتا ہے۔ ریکارڈ کے ختم ہوتے ہی سلطانہ اور قیصر دروازہ کھٹکھٹاتی ہیں)۔

(دروازہ کھٹکھٹانے کی آہٹ)

سعید ۔۔۔ کون؟ یہ ناوقت!

سلطانہ ۔۔۔ دروازہ کھولئے! آپ کے ساتھی، سلطانہ و قیصر۔

سعید ۔۔۔ OH GOOD NEWS! دونوں؟ ابھی کھولتا ہوں۔

(پیروں کی آہٹ اور کنڈی کھولنے کی آواز)

سلطانہ و قیصر۔ GOOD MORNING SACED

سعید ۔۔۔ (اندر آتے ہوئے) GOOD MORNING۔ قیصر سنتی ہو! بڑا عمدہ ایک نیا ریکارڈ خرید کر لایا ہوں۔

قیصر ۔۔۔ لگاؤ ذرا ہم بھی تو سنیں!

سلطانہ ۔ نہیں۔ گراما فون تو اب پرانی چیز ہوگئی! میرا تو اس موئے سے جی جلنے لگا! ریڈیو سٹ لگاؤ دیکھیں اس وقت نشرگاہِ سرکارِ عالی سے کیا نشر ہو رہا ہے۔

سعید ۔ بہتر ۔ ۔ ۔ یہ لیجئے سنئے۔ نشرگاہ حیدرآباد ۔ ۔ ۔ ۔

اعلان ۔ یہ نشرگاہ حیدرآباد ہے۔ ابھی آپ کو ریکارڈ سنائے جا رہے تھے۔ اب آپ استاد جلیل کی ایک تازہ ترین غزل سنئے۔

گانا ـــ غزل ۔ (ساز آہستہ آہستہ شروع ہوتے ہیں)۔

نہ ستم ترا، نہ کرم ترا، نہ جفا تری، نہ ادا تری
ہوے جسکے ہاتھوں خراب ہم وہ ہے چشم ہوشربا تری

گلے شکوے کہنے کی بات ہے نہیں وجہ کوئی ملال کی
یہ کرشمے سارے ہیں عشق کے نہ وفا مری، نہ جفا تری

مرے دل کو آئے قرار کیا جو نہ بھولتی ہو کسی گھڑی
وہ نظر وہ عشوہ گری تری وہ حیا تری وہ ادا تری

مجھے حسین بھی حسن پرست بھی تری بزم میں دم امتحاں
رہی آن سب سے الگ مری رہی شان سب سے جدا تری

گل و غنچہ ہیں بہ گوش ہیں سنے کون بلبل نوحہ خواں
یہ فغاں تری یہ بکا تری یہ صدا تری یہ نوا تری

مرے شوق نے تو بنا دیا مجھے آئینہ ترے حسن کا
ترے زلف و رخ پہ نظر مری مرے چشم دل میں ہے جا تری

جسے چاہتا ہے جلیل تو وہ تجھے بھی چاہے خدا کرے
کہیں کام آئے طلب تری کہیں رنگ لائے دعا تری

(گانا آہستہ آہستہ ختم ہوتا ہے)

قیصر ـــ بند کیجئے اسکو! ہاں تو ہمیں آپ امتحان میں کیا مدد پہنچا رہی ہیں گے۔

سلطانہ ـــ چھوڑیئے بھی اس موئے امتحان کو! اس کا بھوت ہر وقت سر پر سوار رہتا ہے! ان کے NOTES لے لیں گے!

سعید — میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں! لیجئے وہ اخبار والا بھی آگیا ۔۔۔ تازہ خبریں دیکھئے؟

(پیروں کی آہٹ ۔۔۔ اخبار والا آتا ہے اور اخبار دیکر واپس جاتا ہے)

قیصر — (اخبار کھولتے ہوئے ۔۔۔ اخبار کی کھڑکھڑاہٹ) تعجب ہے! ارے حضرت جلیل مانکپوری کا انتقال ہوگیا

سلطانہ — کون جلیل مانکپوری؟

سعید — "اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا" — غضب کردیا آپ نے! وہ جلیل جن کی غزل ابھی آپ نے ریڈیو پر سنی تھی۔

سلطانہ — سچ کہو! انکی غزل تو یہ بتا رہی تھی کہ وہ باکمال شاعر اور استاد تھے!

قیصر — جبھی تو میں کہتی تھی کہ صرف انگریزی پڑھ لینے ہی سے کام نہیں چلتا۔ اور مضامین کے ساتھ "اردو" پڑھنا بھی ضروری ہے تاکہ ہم اپنے ملک کے اہل قلم اور شعرائے باخبر رہیں۔

سلطانہ — تو کیا یہ غزل گو تھے؟

سعید — جی ہاں! غزلگو اور ایسے غزلگو جن کی غزلیں تغزل سے پر ہوتی ہیں۔

سلطانہ — یہ بتائیے کہ اردو شاعری کا یہ دور تو شاید اضطرابی دور ہے۔ اس میں غزل گوئی سے کیا کام؟ مشین اور مزدور، وطنیت، قومیت، ملت وغیرہ کو انہیں شاعری کا موضوع بنانا چاہیے تھا۔

قیصر — ٹھیک ہے بہن سلطانہ! مگر وہ لوگ جو دور قدیم کی یادگار ہوں۔ اس اضطرابی دور میں جدید احساسات جدید خیالات اور جدید نصب العین کہاں سے لائیں؟

سعید — میں سمجھا دوں۔ بھئی حقیقت یہ ہے کہ نواب فصاحت جنگ امیر مینائی کے تلامذہ کی جمعیت اربعہ کے فلک وقار شاعر تھے۔

سلطانہ — یہ جمعیت اربعہ سے آپ کی کیا مراد ہے؟

سعید — یہی کہ ان کے شاگردوں میں چار افراد زیادہ ممتاز ہوئے، حفیظ جونپوری، وفا رامپوری، ریاض خیرآبادی اور جلیل۔ جلیل ان میں حضرت امیر مینائی کے صحیح جانشین تھے۔ اس قافلہ کے یہ آخری مسافر تھے۔

سلطانہ — ریاض کی خمریات کے بارے میں تو میں نے سنا ہے!

قیصر — ضرور سنا ہوگا مگر عرصہ ہوا وہ بھی انتقال کر گئے۔

سعید — مجھ سے اگر آپ پوچھتی ہیں تو میں آپ کو بتا دوں کہ استاد جلیل نے امیر کی روح شاعری کو اس

اضطرابی دور میں نہ صرف قائم رکھا بلکہ داغ۔ جلال۔
اور تسلیم کی شاعرانہ نزاکتوں اور لطافتوں کو اجاگر کیا۔
اگر وہ ایسا نہ کرتے تو یہ خوبیاں اس دور کے جدید رجحانات
میں مدغم ہو کر فنا ہو جاتیں۔

سلطانہ — تعجب ہے کہ جلیل نے ماحول سے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔

قیصر — پختہ کار دوسروں کے اثرات جلد قبول نہیں کیا کرتے۔
جلیل جو ان اثرات سے بچے رہے اس کا سبب یہ تھا
کہ انھوں نے ابتدائے شاعری ہی سے جو نظریے قائم
کرلئے تھے۔ ان سے ہٹنا اور انکو ترک کرنا وضعداری
کے خلاف سمجھا۔ اسکو یوں سمجھئے کہ ان کی طرف رجوع
ہونا انھوں نے امیر کی امانت میں خیانت کرنا جانا انکو
تا زندگی یہ فخر رہا کہ حضرت امیر مینائی کے صحیح جانشینی
کا انھوں نے حق ادا کیا۔ خود اپنے ایک شعر میں یوں
کہا ہے ؎

شعر خوانی پہ تری سب کو گماں ہے یہ جلیل
بزم میں روحِ امیر الشعراء آتی ہے

سلطانہ — کہیں نہ کہیں تو ضرور ماحول ان کے کلام پر اثر انداز ہوا
ہوگا؟ انھوں نے ضرور وطنیت اور قومیت پر نظمیں
کہی ہونگیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عہد اضطراب

کا شاعر اور اپنے زمانے کے ساتھ ساتھ نہ چلے۔

سعید — خیال تو آپ کا صحیح ہے! ایسا ہونا چاہئے۔ یہ کون کہتا ہے کہ جلیل پر ماحول کا اثر نہیں پڑا۔ انکی تمام تر شاعری ماحول کا پرتو ہے۔ مگر جو اثر انھوں نے پہلے قبول کر لیا تھا وہ اس قدر پختہ تھا کہ اس پر بعد کے اثرات اپنے نقوش قائم نہ کر سکے۔

سلطانہ — یعنی؟

سعید — یعنی یہ کہ جب رامپور گہوارۂ ادب تھا۔ امیر اور داغ کے معرکے ہو رہے تھے اس وقت جلیل نے امیر مینائی کے روبرو زانوئے ادب تہ کیا۔ شعر و شاعری کے ماحول نے بہت جلد پختہ کار شاعر بنا دیا۔ استاد کی توجہ نے ذکاوتِ شعری پر جلا کی، مشقِ سخن نے استادی کے درجہ پر لا کھڑا کیا۔

سلطانہ — جس وقت ان کی غزل ریڈیو پر سنی تو میں نے اس نظرئے سے غور نہیں کیا تھا۔ قیصر! کیا تمھیں کوئی غزل یاد ہے۔ سناؤ تو ذرا۔

قیصر — یاد تو ہے! میں نے اسے آل انڈیا میوزک کانفرنس (ALL -INDIA MUSIC CONFERENCE) میں سامعین کے روبرو پیش کیا۔ ہر شخص اپنی جگہ وجد کرنے لگا۔

سعید — سناؤ تو ذرا۔

قیصر — (گاتی ہے)

نہ قتل سے میرے ہاتھ کھینچو لہو بہا کر بہار دیکھو
پڑے گی اڑ کر جو چھینٹ اسکی۔ بنی گی وہ پھول آستیں کا

ستم تھا بچپن کا وہ زمانہ، غضب وہ دل کا پسند آنا
وہ گود میں میری لوٹ جانا۔ مچل مچل کر کسی حسیں کا

ادھر صبا نے یہ گل کھلایا چمن میں کلیوں کو گدگدایا
ادھر ہنسی نے ستم یہ ڈھایا کہ منھ لیا چوم کسی حسیں کا

یہ رات جو اتنی بڑھ گئی ہے سیاہی اتنی جو چڑھ گئی ہے
کہیں کھلا ہے ضرور جوڑا کسی کے گیسوئے عنبریں کا

عرق عرق ہے جو روئے گلگوں، یہ خوب موقع ہے اب جو چاہوں
میں سرنوشت دھو ہی ڈالوں پسینہ لیکر تری جبیں کا

جلیل کیا بات اس کی غزل میں ہے تازگی جیسے چمن کی
جو شعر ہے شاخ ہے نسترن کی جو لفظ ہے پھول یاسمن کا

(گانا آہستہ آہستہ ختم ہوتا ہے ......)

سلطانہ۔ کمال کردیا قیصر! غزل میں جو ترنم اور نغمہ ہے وہ اپنی جگہ پر۔ مگر تمہاری آواز نے اس میں اور دلکشی پیدا کردی

سعید — کچھ تو یہ بھی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے موسیقی اور ترنم انکی شاعری کا جزوِ اعظم ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں کے لئے مترنم بحروں کا انتخاب کیا۔

قیصر — شاید کسی نے جلیل کی غزلوں کے ترنم کے بارے میں یہ لکھا بھی ہے کہ انکی غزلوں کو عہد حاضر میں وہی مرتبہ حاصل ہوچکا ہے جو داغ اور امیر کو اپنے زمانے میں۔ ہر محفل رقص و سرود اور بزم طرب میں لحن داؤدی کے ساتھ انکی غزلیں فضا میں ترنم پیدا کردیتی ہیں۔ نشرگاہ سے ابھی غزل سنی ہی تھی۔

سلطانہ۔ انکی شاعری کی فنی خوبیوں نے میرے دل میں ان کے حالات معلوم کرنے کا ذوق پیدا کردیا ہے۔

سعید — ان کے واقعات زندگی؟ کچھ تو مجھے ضرور معلوم ہیں۔

قیصر — اور کچھ میں جانتی ہوں۔

سلطانہ — ہاں تو بتائیے۔

سعید — یہ دراصل مانک پور کے رہنے والے تھے۔ رامپور میں امیر کے شاگرد ہوئے وہاں شعر و شاعری کے ماحول

میں اپنی زندگی گذاری۔ نواب کلب علی خاں سابق (والئی رام پور) کے زمانے تک بازار شاعری خوب گرم رہا مگر نواب موصوف کے انتقال سے شعراء کی محفل درہم برہم ہوگئی۔ اور ایسی کہ استاد داغ یہ کہنے پر مجبور ہوگئے

رہے کیا مصطفےٰ آباد میں داغ
وہ جلسے ہو چکے خلد آشیاں کے

قیصر — بالکل، صحیح بیان کیا آپ نے! یہی وجہ ہے کہ امیر کا رنگ ان کے یہاں نمایاں ہے۔

سعید — میرا خیال تو یہ ہے کہ امیر کے مقابلے میں داغ کا رنگ ان کے کلام میں زیادہ نمایاں ہے

سلطانہ — تو یوں کہیئے کہ انکی شاعری امیر اور داغ کی شاعرانہ خوبیوں کا سنگم ہے۔

سعید — JUST! بالکل صحیح! یہ دونوں شاعر دو دبستان شاعری سے تعلق رکھتے تھے!

سلطانہ — یعنی

سعید — یہی LUCKNOW SCHOOL OF THOUGHT اور
.. .. .. DELHI SCHOOL OF THOUGHT
لکھنؤ اور دہلی دونوں دبستان شاعری کی خصوصیات علیحدہ علیحدہ ہیں اور وہ دونوں جلیل کے یہاں موجود

ہیں۔

قیصر — امیر کا رنگ تو ان کے کلام میں موجود تھا ہی۔ مگر داغ کی چند خوبیاں بھی جلیل نے اپنے اندر پیدا کرلیں۔ اسکی کوئی خاص وجہ بھی ہوسکتی ہے۔ سعید صاحب؟

سعید — وہ تو ظاہر ہے! رام پور میں داغ محض اپنی شگفتگی بیان کی وجہ سے امیر پر سبقت لے گئے تھے۔ کیونکہ امیر رعایت لفظی اور معشوق کے خارجی لوازمات پر توجہ دیتے تھے مگر داغ جذباتی دنیا کے والہ و شیدا تھے وہ ہلکے پھلکے الفاظ کے ساتھ جذبات سے کھیلتے تھے

قیصر — معاف کیجیے گا سعید صاحب! میرا خیال کچھ اور ہے! جلیل امیر کی شکست سے داغ کے پیرو نہیں بنے۔ انھوں نے رام پور اور حیدرآباد کے شاہی حضرات دیکھے۔ شاہانہ ذوق شعری کا بخوبی اندازہ لگایا اور ساتھ ہی ساتھ ذوق عامہ کی شعری تشنگی کو بھی بجھانا چاہا۔ اسوجہ سے انھوں نے داغ کا رنگ اختیار کیا۔

سلطانہ — میرے خیال میں قیصر بہن اور بھائی سعید دونوں اپنی اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔ آپ دونوں کا مطلب یہ ہے کہ جلیل کے یہاں بلند و پست دونوں طرح کے مضامین موجود ہیں۔

سعید — یہاں مضامین کا سوال نہیں! انداز بیان کی بحث ہے۔ رام پور میں داغ کی مقبولیت کو دیکھ کر خود امیر نے اپنا رنگ تبدیل کر دیا تھا۔ "صنم خانۂ عشق" اس کا زندہ ثبوت ہے۔

قیصر — یہ میں تسلیم کرتی ہوں مگر امیر نے اس رنگ میں بھی امتیازی شان پیدا کر لی تھی۔

سعید — یعنی؟

قیصر — تشریح کی ضرورت نہیں۔ خواجہ حیدر علی آتش۔ میر تقی میر اور خواجہ میر درد کے رنگ کی غزلیں بھی ان کے کلام میں موجود ہیں۔ ان کا کلام ان سب کے محاسن کا مجموعہ بن گیا تھا۔

سعید — تسلیم! مگر جلیل کے یہاں جرأت کی رنگینی اور شگفتگی داغ ہی کے اثرات کا نتیجہ تھی۔

سلطانہ — اس ادبی بحث کو ختم کیجئے۔ پہلے مجھے ان کے پورے حالات سنائیے تو میں بھی کچھ سمجھ کر آپ کی بحث میں حصہ لوں۔

قیصر — آپ گویا بحث کریں گی۔ آپ کو ابھی یہی نہیں معلوم کہ "اردو" میں سب سے بڑا شاعر کون ہے؟

سعید — یہ بھی ایک غلط سی بات ہے! ہاں۔ ... ... تو ۱۸۸۶ء

میں نواب کلب علی کی رحلت ہوئی۔ ۱۸۸۸ء میں داغ حیدرآباد پہنچے مگر امیر سنہ ۱۹۰۰ء میں عازم حیدرآباد ہوئے۔ ہونہار شاگرد جلیلؔ حسین جلیل ہمراہ ہو گئے۔ وہاں بھی استاد کی خدمت کی اور اپنے کلام پر اصلاح لی۔ بہتر برس کی عمر میں امیر نے رحلت کی۔

سلطانہ۔ تو کیا حیدرآباد ہی میں دفن ہوئے۔

سعید۔ جی ہاں! داغ بھی امیر کے بعد زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکے۔ سنہ ۱۹۰۵ء میں انھوں نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔

قیصر۔ داغ کی موت نے حیدرآباد کی درباری شاعر کی جگہ خالی کردی۔

سلطانہ۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ہر عہد میں کچھ درباری شاعر ہوں؟

سعید۔ کیوں نہیں؟ علم پرستی کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے سلطنت آصفیہ کی علم دوستی اور علم پروری اظہر من الشمس ہے۔ میر محبوب علی (مرحوم) سابق تاجدار دکن نے اپنے کلام پر اصلاح لے کر جلیل کو اپنا استاد تسلیم کرلیا۔

سلطانہ۔ کچھ وظیفہ بھی مقرر ہوا؟

سعید۔ صحیح نہیں معلوم۔

قیصر۔ مجھے معلوم ہے۔ ہاں پانچ صد روپیہ ماہوار۔ ؟؟

اس کے علاوہ انہیں جلیل القدر کے خطاب سے بھی
سرفراز کیا گیا۔

سلطانہ۔ جلیل تو اس بلند مرتبہ سے بہت خوش ہوئے ہوں گے۔

قیصر۔ ہاں بہت خوش! اس موقع پر انھوں نے اپنے محسن اعظم کی شان میں "شکریہ سرفرازی" کے عنوان سے ایک قصیدہ لکھا۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

جو دن پھرتے ہیں تو سامان پیدا ہو ہی جاتا ہے
شب غم لاکھ طولانی ہو مگر کاہو ہی جاتا ہے

سلطانہ۔ قیصر! تمہارے دہن سے تحت اللفظ شعر ادا ہوتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔

سعید۔ ہے تو یہی بات اس ظالم کی آواز میں ایسا درد بھرا ہے کہ دل میں لگانے رہ رہ کر ٹیسیں لیتے ہیں۔

قیصر۔ اگر آپ پسند کریں تو ایک غزل اور سنا دوں۔

سعید و سلطانہ (خوش ہو کر) نیکی اور پوچھ پوچھ! ہاں شروع کرو۔

قیصر۔ (گاتی ہے) ..

دل کی حالت کبھی نہیں جاتی — کوئی امید کی نہیں جاتی
ان کو سینے سے بھی لگا دیکھا — ہائے دل کی لگی نہیں جاتی
دل لگانے کے ذکر پہ بولے — آپ کی دل لگی نہیں جاتی
بوسہ دینے پہ سوچ ہی یہ انہیں — دے کے پھر چیز لی نہیں جاتی

تو کبھی بھول کر نہیں آتا — یاد تیری کبھی نہیں جاتی
ہاں نہ آئے زباں پر نہ سہی — کاش! یہ آپ کی نہیں جاتی

بارہا ہو چکے جلیل ذلیل
عشق سے توبہ کی نہیں جاتی

سعید — دل کی صحیح تڑپ موجود ہے سلطانہ!

قیصر — تڑپ کیوں نہ ہو؟ ان کی شاعری رسمی شاعری نہ تھی۔

سعید — معاف کرنا قیصر! اگر میں یہ کہوں کہ اردو کے شعرا کسی خاص پس منظر کی بنا پر اشعار لکھتے ہیں مگر شعر کی حقیقت کو چھپا کر الفاظ کا گورکھ دھندا کھڑا کر دیتے ہیں جس میں وہ خیال مضحکہ خیز ہو جاتا ہے۔ مثلاً جلیل کی حالیہ غزل یہ شعر ؎

ہر کلی گلشن کی مرجھائی ہوئی
سوگوار بلبل ناشاد ہے

اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ ان جذبات کا محرک کوئی معشوق ہے جو فرضی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔

سلطانہ — YES MR. SAEED ! میرا بھی یہی خیال ہے۔ اگر اجازت ہو تو عرض کر دوں۔ میں نے اپنے ایک استاد کی زبانی سنا کہ داغ مرحوم کے یہاں مولوی الوالحمید آیا کرتے تھے۔ انھوں نے پانی مانگا۔ ایک ماہوش

"برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن" پانی لے کر آئی۔ ہوا کے زور سے دوپٹہ سرک گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے سینہ پر رکھ لئے۔ داغ کو یہ ادا بھا گئی۔ فوراً یہ شعر کہا

بادِ صبا نے بھی نہ کیا اس کو بے حجاب
سینے پہ ہاتھ آ گئے جب شانہ کھل گیا

تو اسی طرح اور شعراء کی غزلیں اور اشعار واقعات سے متعلق ہوتے ہیں۔

قیصر — مگر جلیل سے متعلق ایسا واقعہ سنائیے!

سعید — بہن قیصر کوئی ایسا واقعہ تو مجھے یاد نہیں اگر آپ کہیں تو گڑھ کر سناؤں مگر خود بتائیے کہ یہ شعر کیا کہتے ہیں

سنو ؎

کائنات زندگی کہئے اُسے
دل ہی جب تک دل میں اسکی یاد ہے

یا یہ شعر ؎

وہ نظر جس سے لیا تھا تم نے دل
مدتیں گذریں ابھی تک یاد ہے

سلطانہ — سعید صاحب! آپ کا خیال درست ہے! واردات قلبیہ کے لئے دل میں محبت کا ہونا ضروری ہے۔

سعید — یہی تو میں بھی کہہ رہا ہوں کہ جہاں کہیں جلیل کے

یہاں واردات قلبیہ بیان کئے گئے ہیں وہ اشعار سوز و گداز کے حامل ہیں مثلاً ؎

اشکباری میں خدارا مجھے سمجھو معذور
دل پہ صدمہ ہے کچھ ایسا کہ جگر پانی ہے

اگر قیصر بہن کو اس شعر سے بھی یقین نہیں آتا تو یہ شعر

آگئی تم پہ طبیعت کیا کریں
اپنا لکھا اپنی قسمت کیا کریں

قیصر — اچھا اگر میں یہ مان بھی لوں تو کیا ہر وقت شاعر اسی کے اثر میں شعر کہتا ہے۔

سعید — یقیناً! بات بات میں ٹھنڈی سانس لینا - آہیں بھرنا — سب اس کے اشعار میں ابھر آئی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حزن و ملال ان کے کلام میں پیدا ہو جاتا ہے۔

قیصر — تو کیا قنوطیت محبت کرنے سے پیدا ہو جاتی ہے ؟

سعید — نہیں نہیں! وہ تو محبت میں ناکامی کے بعد پیدا ہوتی ہے معشوق کی بے توجہی۔ بے التفاتی حقیقتاً حزن و ملال اور یاس و قنوطیت پیدا کر دیتی ہے۔ میر کی طرح جلیل کے یہاں بھی رنج و غم کی کمی نہیں۔

قیصر — تو آپ کا مقصد یہ ہے کہ رجائیت اور شگفتگی جلیل کے کلام میں مفقود ہے۔

سلطانہ۔ مجھے تو رجائیت ان کے کلام میں ملتی نہیں۔ ہاں شگفتگی
ضرور ان کے یہاں موجود ہے۔

سعید۔ یہ کوئی عیب نہیں کہ شعری بلندیاں اسی وقت نصیب
ہوں جبکہ دل پہ اثر ہو۔

قیصر۔ دل کو متاثر کرنے کے لئے کسی خاص کیفیت کی ضرورت
نہیں۔ نہ معلوم کس وقت دل میں کس واقعہ سے
متاثر ہو جانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

سلطانہ۔ EXACTLY! قیصر! یہ صورت بھی صحیح ہے۔

سعید۔ جلیل کے یہاں واردات قلبیہ کے ساتھ ساتھ معاملہ
بندی بھی موجود ہے۔ یہ لکھنؤ اسکول کی امتیازی
صفت ہے معشوق کی بے التفاتی اور اس کا شکوہ ے

دعا گر نہ دو کو سنا دیتے جاؤ
مرے پیار کا کچھ صلہ دیتے جاؤ

مگر معشوق کی عادت سے وہ واقف معلوم ہوتے
ہیں اس لئے اسکو یوں مخاطب کرتے ہیں ے

یہی انصاف ہے او غیر کے پیارے
اسے بوسے ہمیں دھوکے دئے جائیں

سلطانہ۔ ضرور یہ شعر بھی کسی پس منظر سے تعلق رکھتا ہے۔

سعید۔ یہی ایک شعر کیا۔ ایسے اشعار سینکڑوں جلیل کے

یہاں موجود ہیں اور کیوں نہ ہوں؟ انھوں نے کیا نہیں دیکھا شمع و پروانے کی کیفیتیں چاند اور اس کا رنگین ہالہ، جوانی کا ابھار اور نکھار۔ گل و بلبل کی وارداتیں۔ نسیم و کلی کے راز۔ پھولوں کی نرمی و نزاکت۔

قیصر — مگر یہ تو خارجی لوازم ہیں۔

سعید — ہاں ہاں! خارجی لوازمات سے بھی واردات قلبیہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ معشوق کا لباس بھی بعض وقت عاشق کو بے چین کر دیتا ہے ؎

ہے گلے میں جوان کے جوڑا سرخ
آج آنکھوں میں ہے زمانا سرخ

قیصر — ٹھیک ہے۔ جلیل نے داخلی کیفیتوں کو خارجی لوازمات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً

دل پہ اُس کاکلِ رسا کی چوٹ
قہر کی چوٹ بلا کی چوٹ

سلطانہ — مگر میں نے یہ اندازہ لگایا کہ کہیں کہیں ابتذال بھی پیدا ہو گیا ہے۔

سعید — آپ بھی ٹھیک کہتی ہیں۔ ابتذال تو لکھنؤ اسکول کی امتیازی صفت رہی۔ مگر جلیل کے یہاں آتش اور ناسخ سے بہت کم ابتذال ہے۔

سلطانہ ابتذال تو عموماً پامال مضامین سے پیدا ہوتا ہے۔

سعید مگر کبھی کبھی یہ کہ رکیک الفاظ کے JUST YOU ARE

استعمال سے بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ کہیں عمومی انداز بیان

سے اور کہیں کہیں تخیل کی بے اعتدالی سے۔

قیصر ایسا ایک شعر تو مجھے بھی یاد ہے۔ جس میں عریانی زیادہ

ہوگئی ہے ؎

ابھارا اپنے سینے کو بڑھایا ہاتھ تب ہم نے

خطا دار اس میں ہم ہیں یا تری اٹھتی جوانی ہے

سلطانہ حالانکہ اس میں ایک نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ حسن کی

پامالی عشق کے ہاتھوں حسن کی دعوت عمل کی وجہ سے

ہوتی ہے مگر کچھ الفاظ اور کچھ انداز بیان نے اس کو

معیار سے گرا دیا ہے۔

سعید جلیل کے اشعار کے موضوع زیادہ تر یہی ہیں۔ جن پر

شعرائے قدیم تا شعرائے دور آخر نے طبع آزمائی کی ہے

قیصر مگر انہیں موضوع کو جلیل نے انتہائی دلکش بنا دیا ہے۔

سلطانہ یہ کیسے ؟

قیصر اپنے ندرت بیان سے ! بادہ و مینا کو دیکھو۔ امیر

مینائی نے اس پر کیا کچھ نہیں لکھا اور ان کے شاگرد

ریاض خیرآبادی نے تو اس کو اپنا خاص موضوع بنا لے

رکھا۔ مگر جلیل نے ندرت ادا کی بدولت اس مضمون کو آسمان پر پہونچا دیا ؎

گھٹ گھٹ نہ رہا اپنی بادہ نوشی کی
ایک شغل ہے لذتِ شراب نہیں

سعید: جلیل کے یہاں یہ سب کچھ ہے مگر نیچرل اشعار کی کمی ہے

قیصر: ہرگز نہیں! کیا آپ بتائیں گے کہ "نیچرل" سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

سعید: یہی جو فطرت سے مطابقت کرے۔

قیصر: تو ان کے ایسے اشعار میں سناتی ہوں ؎

کھینچ کر پہلو میں بوسہ لے لیا
ان کا وعدہ میں نے خود پورا کیا

سلطانہ: مگر یہ تو ....

قیصر: ٹھہریئے اگر داغ کا یہ شعر ؎

ہر ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی
اُف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

نیچرل یا فطری ہو سکتا ہے تو جلیل کا یہ شعر ؎

انہیں تن کے سینے کا عالم دکھانا
مجھے ڈر سے انکی کمر دیکھ لینا

بھی فطری ہو سکتا ہے۔

سعید — میں جلیل کے اس شعر کو نوجوان معشوق کی حالت سے زیادہ نزدیک پاتا ہوں ؂

ہے کمسنی کی قید میں عالم شباب کا
کیا ہیر ہے کہ بدر چھپا ہے ہلال میں

سلطانہ — مجھے ان کے انداز بیان میں دلکشی زیادہ محسوس ہوئی۔

سعید — انداز بیان تو بہت دلکش ہے۔ کیونکہ زبان روزمرہ ہے۔ عام فہم، سادہ اور سلیس، زبان میں بلند معانی پیش کیے ہیں۔ فارسی کے الفاظ اور محاورات کو اپنے کلام سے علیحدہ کر دیا۔ تشبیہات و استعارات سے بھی اپنے کلام کو آراستہ کر دیا ہے۔ کہیں کہیں کوئی تلمیح بھی نظر آجاتی ہے۔ پر کیفی بھی بہت ہے۔

قیصر — ان کے کلام کی بلندی کا راز ان کی زبان اور طرز بیان میں مضمر ہے۔

سعید — حقیقت بھی یہی ہے۔ اچھا انکی ایک غزل اور سنا دو تو پھر کالج کی تیاری کریں۔

سلطانہ — کیا انھوں نے نعتیہ غزل کوئی نہیں کہی۔

قیصر — نعتیہ غزلیں بھی بے شمار کہی ہیں۔ ان میں انھوں نے ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ تو سنو غزل:

اے مرے شاہ مہ لقا نورِ خدا تمہیں تو ہو
حسنِ ازل ہے آئینہ جلوہ نما تمہیں تو ہو

شانِ جمالِ کبریا۔ تاجِ وقارِ انبیا
کہتے ہیں جن کو مصطفےٰ صلِّ علیٰ تمہیں تو ہو

روح رواں ہے تم سوا جو رجہاں سے تم سوا
دونوں جہاں سے تم سوا بعدِ خدا تمہیں تو ہو

تم ہو خدا کو دیکھتے خلق ہے تم کو دیکھتی
قبلۂ جاں تمہیں تو ہو قبلہ نما تمہیں تو ہو

غم سے تپاں ہمیں تو ہیں سوختہ جاں ہمیں تو ہیں
تشنہ دہاں ہمیں تو ہیں آبِ بقا تمہیں تو ہو

احمدِ پاک جب کہا دل کو قرار آگیا
نام میں جس کے ہے شفا نامِ خدا تمہیں تو ہو

دستِ کرم ہے خلق پر دل سے خدا پہ ہے نظیر
سب میں ملے تمہیں تو ہو سب سے جدا تمہیں تو ہو

حشر میں اک شور اٹھا جب یہ جلیل نے کہا
اے مرے شاہ مقتدر خدا تمہیں تو ہو
(رگانا آہستہ آہستہ ختم ہوتا ہے)

سعید — قیصر تمہیں بھی اپنے فن پر کمال حاصل ہے۔

قیصر — کمال مجھے کیا اپنے فن پر حاصل ہے۔۔ استاد جلیل کی اکثر غزلیں میں نے یاد کیں اور ان پر طبع آزمائی کی۔

سلطانہ — جلیل واقعی واجب التعظیم تھے۔

سعید — اس سے زیادہ اور کوئی کیا وقعت کر سکتا ہے؟ کہ وہ حیدرآباد کی حکومت کے درباری شاعر آخری وقت تک تھے اور فصاحت جنگ کے خطاب سے سرفراز کئے گئے تھے۔

قیصر — ان کی موت سے ان کا وقار کچھ کم نہیں ہوا سنئے خود اس شاعر اعظم نے کہا تھا ؎

بعد تعالیٰ ہے نام بلند اپنا اے جلیل
زیر زمیں بھی جا کے رہے آسمان پر

اچھا چلو! ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ کالج کا وقت آگیا۔۔

۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔

(جانے کی آہٹ)

سعید — بڑا نقصان ہو گیا ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۴ جنوری ۱۹۴۶ء

کی یہ خبر، تاریخ میں ہمیشہ یادگار رکھی جائے گی۔
اس دن ایک بڑے آدمی کا انتقال ہوا ہے۔
سچ ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مطبوعہ سلیمی برقی پریس۔ یحییٰ پور۔ الہ آباد

۱۹۹

سیّد محمد ہاشم و سیّد ابو طالب بکسیلرز پبلشرز

چوک - الہ آباد

Mohiuddin Qadri - Zore Kashmiri
NET. Gold medalist
Research - Scholar
Deptt Urdu KU